سیاسی دستاویز

عوامی ورکرز پارٹی

تیسری کانگرس منعقدہ 12,13 مارچ 2022 لاہور
سے منظور شدہ

شعبۂ نشرواشاعت عوامی ورکرز پارٹی

زرِتعاون: 30 روپیہ

اشاعت: 2022

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	تعارف	2
2	ابتدائیہ	3
3	دورحاضر کے بنیادی تضادات	8
4	پاکستانی معاشرہ کی سماجی وطبقاتی ساخت	9
5	سامراجیت اور دنیا میں ترقی پسند سیاست کے امکانات	12
6	پاکستان کے مرکزی دھارے کی سیاست	16
7	سیاست میں فوج کا کردار	17
8	پاکستان میں عوامی مزاحمت کی مختلف اشکال	19
9	پدرسری سماج اور طبقاتی وسماجی استحصال سے عورت کی آزادی کا سوال	22
10	قومی سوال اور قوموں کی برابر حقوق کے لیے جدوجہد	24
11	سیکولرازم: ریاست کی مذہب سے علیحدگی کی جدوجہد	25
12	ماحول اور انسان کے درمیان توازن، دنیا اور انسانیت کی بقا کی جدوجہد	26
13	جدید ٹیکنالوجی کے دور میں انقلابی سیاست	27
14	نوجوان وطلبہ کی جدوجہد، مستقبل انہی کا ہے!	30
15	کیا کیا جائے؟	30

تعارف

پارٹی کانگریس ایک سنجیدہ سیاسی عمل ہے، خاص کر ایک ایسی پارٹی جو مارکسی نظریات پر یقین رکھتی ہو اور جس کا منتہائے مقصود سوشلزم کے نظام کی تعمیر سے ایک غیر طبقاتی سماج کا قیام ہو، لہذا کانگریس میں پارٹی کارکنوں کو ملکی و عالمی صورت حال اور معیشت، پاکستان کے سماج کا طبقاتی تجزیہ، سرمایہ داری کا عالمی بحران، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی، ماحولیات ~ بیسویں صدی کے انقلابی تجربات کے بعد سوشلزم کے مختلف نقطہ نظر، عالمی سامراج کی حکمتِ عملی اور پاکستانی سیاست پر اثرات، قومی سوال، معیشت اور سیاست میں فوج کا کردار، پدرسری اور صنفی برابری کا سوال، بڑھتی ہوئی مذہبی شدت پسندی، مقامی اور عالمی طور پر بڑھتے ہوئے ارتکازِ دولت کے نتائج وغیرہ جیسے موضوعات کا سنجیدہ تجزیہ کرنے کے بعد اہداف مقرر یا طے کرنے کا بہترین موقع میسر آیا ہے جس سے پارٹی مندوبین کو بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے اور پارٹی اداروں کے اندر اجتماعی قیادت کے تصور اور نظریے کی شفافیت پیدا کر کے پارٹی کو اور زیادہ منظّم کیا جا سکتا ہے۔

کووڈ 19 وبا نہ صرف پارٹی کانگریس میں طویل تاخیر بلکہ دنیا بھر میں سیاسی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی اور انتظامی تضادات میں شدت کا سبب بنی ہے اسی عرصے میں پاکستان کے دیرینہ داخلی اور خارجہ مسائل بھی شدت اختیار کرتے چلے گئے ہیں ریاست کے اندر کئی ریاستیں پیدا ہو چکی ہیں اور طاقت کے کئی مرکز بن چکے ہیں۔ دولت مند طبقات، فوجی جرنیل، اور سول حلقوں کو اس سے ذرا بھی غرض نہیں کہ ان کا اپنا حکمرانی کا نظام آئے روز نئے بحرانوں کو جنم دیتا ہے اگر اس صورت حال کا تدارک نہ کیا گیا تو ملک مزید تباہی و بربادی کی طرف دھکیلا جائے گا اور عوام پر مزید مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں گے۔

پارٹی کانگریس کے اس موقع پر نہ صرف اپنی صفوں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے بلکہ تمام عوام دوست و جمہوری قوتوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کر کے مربوط جدوجہد کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل کی طرف لمبا سفر طے کرنے کا عہد کرنا ہوگا تاکہ عالمی سامراج کو ہمیشہ کے لیے شکست دی جائے، معاشرے سے معاشی، ثقافتی اور سماجی ظلم و استحصال کا خاتمہ کیا جا سکے، قومیتوں کے حقوق کا حصول ہو سکے، صنفی جبر کا خاتمہ ہو سکے اور صحیح معنوں میں پاکستان ایک آزاد، خودمختار اور عوام دوست ملک بن سکے۔

ابتدائیہ

دسمبر 2019 میں چین کے دوہان صوبہ کے اندر ایک عجیب بیماری کی نشاندہی ہوئی جس کی راتوں رات دنیا کے کونے کونے تک پھیلاؤ واضح کر دیا کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام انسانیت کو تیزی سے مکمل تباہی کی طرف دھکیل رہا ہے۔ کووڈ کے شروع والے دنوں میں کہا جاتا تھا کہ دنیا کے تمام لوگ ایک ہی کشتی میں سوار ہیں مگر وقت نے ثابت کیا کہ وبا کے اثرات بھی اسی طرح طبقاتی ہیں جیسا کہ طبقاتی سماج میں ہر شے طبقاتی ہوتی ہے۔ اگر افتادگان خاک بیماری سے نہیں بھی مرتے تو معاشی لاک ڈاون کی صورت میں بھوک اور افلاس ان کا مقدر بنا۔ وبا کو اب دو سال ہونے جا رہے ہیں اور پاکستان میں آئے روز بنیادی اشیا کی قیمتیں اور بیروزگاری کی شرح آسمان کو چھو رہی ہے۔ دوسری جانب ایمازون اور ایپل جیسی ملٹی نیشنل کمپنیاں اور جنگی کاروبار کرنے والی سامراجی قوتیں منافع کمانے کے نئے ریکارڈ توڑتی جا رہی ہیں۔ پاکستان ''ہائبرڈ'' سول ملٹری حکومت نے بحریہ ٹاؤن، ڈی ایچ اے اور دیگر بڑے بڑے رئیل اسٹیٹ سیٹھوں اور اجارہ داروں کو دو نمبر مال حلال کرنے کے ان گنت مواقع فراہم کیے ہیں نوبت اب یہ آ گئی ہے کہ دنیا کے 26 امیر ترین لوگوں کی دولت دنیا کے تین ارب غریب ترین لوگوں کی آمدنی سے زیادہ ہے۔

وبا کے دوران ایک اور حقیقت نمایاں ہوئی کہ نفرت کی سیاست کرنے والے مقبولیت پسند (Populist) آنے والے وقت میں دنیا بھر میں برسرِ اقتدار رہیں گے۔ ان مقبولیت پسندوں کی بڑی نشانی یہ ہے کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے بڑھتے ہوئے تضادات پر پردہ ڈالا جائے اور عوام کی توجہ کاغذی شیروں کی طرف دلائی جائے۔ کبھی ''کرپشن''، کبھی ''بیرونی سازش''، تو کبھی ''دہشت گردی'' ہی تمام معاشی، سماجی، و سیاسی مسائل کا باعث بیان کیے جاتے ہیں جن کو حل کرنے کے لیے ایک طرف بیرونی سرمایہ کاری اور اس کے نتیجے ''ترقی'' لازمی قرار دی جاتی ہے تو دوسری طرف ملکی دفاع کے نام پر ریاست کے تمام عسکری اداروں کو مسلسل اختیارات منتقل کرنے کی ضرورت کو ابھارا جاتا ہے اور سب کچھ کو ''جمہوری'' رنگ دینے کے لیے قانون ساز ادارے اور کارپوریٹ میڈیا مفادِ عامہ کا سودا کرتے چلے جاتے ہیں۔

پاکستان کے وزیراعظم عمران خان اور ان کی پی ٹی آئی حکومت نے ایک وقت کے لیے لاک ڈاون کی مخالفت کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ''دیہاڑی دار مزدوروں'' کو بچانا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت میں اسی حکومت کی پالیسیوں کے نتیجے میں مزدور اور کسان کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ عمران خان کا 2018ء سے پہلے کہنا تھا کہ وہ سامراجی قرضوں کے جال، سابقہ حکمرانوں کی بدعنوانیوں اور اشرافیہ کو لگام دے کر عوام کو معاشی خوشحالی

کے راستے پر گامزن کرنے کے لیے ''نیا پاکستان'' قائم کریں گے۔فوجی اسٹبلشمنٹ کی بھرپور مدد سے اقتدار میں آنے کے بعد انھوں نے ''ریاستِ مدینہ'' تعمیر کرنے کے نعرے لگانا شروع کر دیئے۔اس ہائبرڈ حکومت کے تین سال میں سماج میں ناہمواری، بدامنی اور تنگ نظری میں نہ صرف شدت آئی ہے بلکہ آئے روز بچیوں اور عورتوں کے خلاف خوفناک زیادتیوں کی خبریں سننے کو ملتی ہیں۔غریب اور نوجوان زندگی کی اندھیر نگری سے تنگ آ کر خودکشیاں کرتے ہیں اور مذہب کے ٹھیکیداروں کے وحشی کرتوت منظر عام پر آتے ہیں۔رہ گئے ریاستی ادارے جو رشوت، ناانصافیوں اور جبر کی علامت بن گئے ہیں۔عدالتیں من مرضی کا ''انصاف'' فراہم کرتی ہیں اور پولیس، ٹیکس اور انتظامیہ کے محکمے شہری حقوق کی کم اور ڈاکوؤں کی حفاظت زیادہ کرتے ہیں۔سول محکمے جتنے عوام دشمن ہوں تو خفیہ ادارے ان سے بھی ایک قدم آگے ہیں جو کہ دن دیہاڑے سیاسی مخالفین اور عوامی جدوجہد کرنے والے کارکنان کو اٹھا کر غائب کر دیتے ہیں اور ان ''نامعلوم افراد'' کا احتساب کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

عسکری ادارے ''وسیع تر قومی مفاد'' کے نام پر 75 برس سے تو جمہوریت، وفاقیت حتیٰ کہ سیاست کا جنازہ نکالتے ہی رہے ہیں لیکن 2001 سے شروع ہونے والی ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے بعد تو بالکل بے لگام ہو گئے۔سابقہ فاٹا کے اضلاع اور بلوچستان میں فوجی آپریشنز کی بھرمار اور سارے پاکستان میں تشدد اور نفسیاتی ٹارچر عام ہے۔پسماندہ خطوں سے شہروں میں نقل مکانی کرنے والے نوجوان جب تعلیم اور روزگار حاصل کر کے مین اسٹریم کا حصہ بننے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کو بھی ریاستی اور کارپوریٹ جبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے جبکہ رجعتی قوتوں کو آج تک ریاستی سرپرستی حاصل ہے جس کا تازہ ترین ثبوت چند سالوں کے اندر اندر ابھرنے والی تحریک لبیک ہے۔بیس سال کے اس عرصے میں عوام الناس کو یہ جھوٹ بیچا گیا کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں طالبان اور دیگر رجعتی قوتوں کو مارا جا رہا ہے جبکہ اگست 2021ء امریکی افواج کے افغانستان سے انخلا کے ساتھ ہی طالبان واپس اقتدار میں آ گئے جہاں کابل میں طالبان حکومت کے قیام کو ہماری فوجی اسٹبلشمنٹ اپنی فتح تصور کرتی ہے دراصل امریکی سامراج نے ہی ایک طے شدہ معاہدہ کے تحت انہیں اقتدار حوالے کیا ہے جس سے افغانستان اور پاکستان کے عوام کے لیے مزید ''پراکسی وار'' اور دہشت گردی متوقع ہے۔

دراصل سرمایہ کے راج کا مطلب ہی یہ ہے کہ منافع کمانے کا کوئی بھی طریقہ چھوڑا نہ جائے بشمول جنگ۔ 2018 میں امریکہ کا فوجی بجٹ 700 ارب ڈالر تھا جبکہ محتاط اندازے کے مطابق امریکہ نے نہ صرف افغانستان میں 5.9 کھرب ڈالر خرچ کر دیے ہیں ان کا مقصد نہ طالبان کو ختم کرنا تھا اور نہ ہی افغان عورتوں کو آزادی دلوانی تھی یہی فریب وزیرستان اور پاکستان کے دیگر پشتون اضلاع میں رچایا گیا جن میں آپریشن کیے گئے اور آج وہاں بھی دایاں بازو ایک بار پھر منظّم ہو رہا ہے جہاں ریاستی ادارے اپنے مفادات کی خاطر

جنگجو پالیسیاں اپناتے ہیں وہاں اسلحہ جہاز اور دیگر کو فروخت کرنیوالی نجی کمپنیوں نے بھی لوٹ مار کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔علاج معالجہ بھی سرمائے کے تابع ہے۔کووڈ ویکسین بنانے والی مغربی کمپنیوں نے تھوڑے ہی عرصے میں اربوں ڈالر کمائے جبکہ انہی ممالک نے دنیا کے غریب ترین خطوں میں ویکسین بھیجنے سے ایک وقت تک انکار کیا حالانکہ ان کے پاس بے بہا مقدار میں ویکسین موجود تھی۔

بیسویں صدی سے موازنہ کیا جائے تو آج بھی دنیا میں ہر طرف طبقاتی، سامراجی، قومی، نفی اور دیگر اقسام کے استحصالی رشتے قائم ہیں کہیں کہیں عوام کی مختلف پرتیں متحرک ہو کر مزاحمت کرتی ہیں مگر نظام کو جڑوں سے اکھاڑنے کے لیے بڑے پیمانے پر عوام فی الوقت منظّم نہیں ہوئے۔دورِ حاضر میں اگر نظام کی تبدیلی کا نعرہ لگتا بھی ہے تو مذہبی منافرت یا پھر ریاستی قوم رستی کی گروہی سیاست نمایاں ہے حکمرانوں اور ان کی پشت پر ملکی اور عالمی اسٹبلشمنٹ کا مقصد بڑھتے ہوئے تضادات کے نتیجہ میں عوام دوست سیاسی متبادل کی بجائے نفرتوں میں الجھائے رکھنا ہے۔ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے والی ریاستیں زرعی شعبے کو بھی نہیں بخشتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسان آج بھی بھوک سے مرتا ہے اور محنت کش اکثریت کو بھی خوراک فراہم کرنے سے قاصر ہے۔

جدید دور کی بیشتر مدت کے لیے سرمایہ دارانہ نظام کا پھیلاؤ پیداواری قوتوں اور خاص طور پر صنعت کو ترقی دینے کا نام تھا مگر بیسویں صدی کی آخری دہائیوں کے بعد سے مالیاتی اثاثوں سے منافع خوری کو فوقیت حاصل ہو چکی ہے پاکستان میں مالیاتی سرمائے کے پھیلاؤ کے نتیجے میں دولت مند طبقہ بمعہ عسکری ریاستی اداروں نے رئیل اسٹیٹ اور دیگر نئے منافع خوری کے ذرائع سے بہت کچھ کمایا ہے جبکہ شہری مڈل کلاس کو بینکوں نے سستا کریڈٹ دے کر مصنوعات کی کھپت میں مبتلا کر دیا ہے ویسے تو ''ترقی'' کے خواب سب کو بیچے جاتے ہیں لیکن محنت کش طبقے کی اکثریت معاشی بدحالی جبکہ محکوم قومیں، مذہبی اقلیتیں اور عورتیں دو دو تین اقسام کے استحصال و جبر کا شکار ہیں روزگار، تعلیم اور صحت کی سہولیات تک رسائی صرف اس کی ہوتی ہے جو کہ ''آزاد منڈی'' میں ان کو خرید سکتا ہے۔1980ء کی دہائی تک یہ تصور عام تھا تعلیم، صحت، مواصلات، ٹرانسپورٹ اور دیگر بنیادی ضروریات کے شعبے نجی ہاتھوں میں نہیں دیے جاسکتے کہ ریاست کا فرض ہے کہ یہ سہولیات سب کو فراہم کرے لیکن 1990ء کی دہائی سے شروع ہونے والی نجکاریوں کا سیلاب آج تک جاری ہے اور اب ریاستی ادارے و اہلکار بڑے منافع خور بن گئے ہیں۔ پاکستان سمیت دنیا بھر کی ریاستیں قدرتی وسائل کی بندر بانٹ میں ہی مصروف ہیں جس کو مارکس Primitive accumulation کا نام دیتا تھا۔

بہرحال سرمایہ دارانہ نظام کے اندرونی تضادات وقت کے ساتھ شدت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں مالیاتی سرمائے کی اجارہ داری اور دنیا کے قدرتی وسائل کی بے دردی سے لوٹ کھسوٹ کے نتائج اب نظام کے رکھوالے بھی سنبھالنے سے قاصر ہیں۔ یہ ناقابل تردید سچ ہے اور 9-2007 کے عالمی مالیاتی بحران کی صورت

میں واضح ہوگیا، بینکوں سمیت ان گنت مالیاتی ادارے راتوں رات بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ کروڑوں عام لوگوں کے مستقبل بھی جنہوں نے اپنی زندگی کی جمع پونجی ان مالیاتی اداروں کے حوالے کی ہوئی تھی۔ تاہم حکمرانوں نے عوام کے بجائے بینکوں کا ساتھ دیا صرف امریکہ میں مالیاتی اداروں کو بچانے کے لیے 700 ارب ڈالر سرکاری خزانے سے نکال کر Investor confidence کی بحالی کے نام پر تقسیم کیے گئے۔

آئی ایم ایف کے اندازوں کے مطابق ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں بیروزگاری کی شرح 2010 میں 8.3 تھی جو گزشتہ کئی سالوں میں تقریباً 14 فیصد تک پہنچ گئی ہے فرانس میں 9.5 فیصد کینیڈا میں 6.5 فیصد، جرمنی میں 3.8 فصد امریکہ میں 4.4 فیصد اور برطانیہ میں 5 فیصد ریکارڈ کی گئی ہے اس سب پر کچھ مغربی ممالک میں عوام کا غم وغصہ قابو نہیں ہوسکا اور بائیں بازو کی سیاست میں نئی سانس پھونکی گئی تاہم مالیاتی کریش کے چودہ سال بعد امریکہ میں برنی سینڈرڈ اور برطانیہ میں جیرمی کاربن کی قیادت میں ابھرنے والی عوامی تحریکیں اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں اور مجموعی طور پر مالیاتی سرمائے کی اجارہ داری قائم ہے۔ چین سمیت دنیا بھر میں چند ممالک کے اندر ابھی بھی کمیونسٹ جماعتیں برسر اقتدار ہیں جن کو دستاویز کے اگلے حصوں میں زیر بحث لایا جائے گا تاہم یہ بات واضح کہی جاسکتی ہے کہ ان ملکوں میں بھی مالیاتی سرمائے کی اجارہ داری کے معاشی وسیاسی اثرات شدت اختیار کرتے چلے جارہے ہیں۔ پاکستان تو اس وقت شدید معاشی بدحالی اور مہنگائی کے بے پناہ طوفان کے گھیرے میں ہے اور صرف کنگال ہونے کا بین الاقوامی اعلان باقی ہے حالیہ ضمنی بجٹ اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی خودمختاری سے متعلق قانون سازی سے ملک حقیقی معنوں میں آئی ایم ایف کی غلامی میں چلا گیا ہے لہذا ان سرمایہ دارانہ پالیسیوں کے خلاف شدید مزاحمت ضروری ہے۔

اس منظرنامے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا بھر کی اشتراکی اور عوام دوست قوتوں کو منظّم کرنے کی اشد ضرورت ہے سرمایہ دارانہ نظام کی بربریت کا شاید سب سے واضح اظہار خود دنیا کے وجود کو درپیش خطرہ ہے قدرتی وسائل کو جس شدت سے صنعتی دور کے آغاز سے استعمال میں لایا گیا ہے اس سے ماحول کو ناقابل تلافی نقصان ہو چکا ہے اقوام متحدہ کے مطابق دنیا کا درجہ حرارت آج صنعتی دور سے پہلے کے مقابلے میں 1.5 گنا بڑھ چکا ہے اور آنے والے بارہ سالوں تک کاربن ایمشنز کو کم نہ کیا گیا تو قدرتی آفات کے ساتھ ساتھ بہت سے پودوں اور جانوروں کی قسمیں ہمیشہ کے لیے ختم ہوجانے کا خدشہ ہے۔ ماحولیاتی تباہی کا سب سے زیادہ بوجھ پاکستان جیسے ممالک کی محنت کش اکثریت پر سیلابوں، قحط سالی اور گلیشیر کے پگھلنے کی شکل میں عائد ہورہا ہے لیکن حکمرانی کا فرسودہ اور عوام دشمن نظام اس بڑھتے ہوئے تضاد کو تسلیم کر کے ٹھوس اقدامات اٹھانے کے بجائے اس کو بد سے بدتر بناتا جارہا ہے آج سے ایک صدی قبل مشہور جرمن انقلابی روزا لکسمبر نے کہا تھا انسان کے پاس اب دو ہی راستے باقی ہیں: سوشلزم یا بربریت۔ آج کون انکار کرسکتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام انسانیت کو مزید تباہی اور بربریت کی طرف دھکیل رہا ہے اور صرف سوشلزم ہی انسانی بقا کا راستہ ہے۔

دورِ حاضر کے بنیادی تضادات

موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں عالمی سطح پر درج ذیل تضادات اہمیت کے حامل ہیں:

(1) سامراج اور محکوم قوموں اور عوام کے مابین تضادات
(2) سرمایہ اور محنت کے درمیان تضاد
(3) سامراجی ملکوں اور ترقی پذیری ممالک کے اجارہ دار سرمائے کے درمیان تضادات
(4) سامراج اور سوشلزم کے درمیان تضاد
(5) سرمایہ دارانہ نظام اور موحولیات کا تضاد

مندرجہ بالا عالمی تضادات وکشمکش کا عکس اور اثرات پاکستان کی معیشت وسیاست میں بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں عالمی سامراج کی سخت گیر عالمگیریت (Globalisation) لوٹ کھسوٹ، وبائی، دھونس اور دھاندلی کی پالیسی اور گماشتہ طبقات Compardor Capitalist) کی سامراج پرستی نے پاکستان کے اندر مندرجہ ذیل تضادات کی نوعیت ترتیب دی ہے

(1) طبقاتی تضاد
(2) سامراج اور پاکستانی عوام کے درمیان تضاد
(3) زیردست اور بالادست قوموں کے درمیان ضاد
(4) جمہوری اور غیر جمہوری قوتوں کے درمیان عدام توازن کا تضاد
(5) سول وفوجی حکمرانی کے درمیان تضاد
(6) جاگیرداری قبائلی باقیات اور جمہوریت کے درمیان تضاد
(7) حکمران طبقات کے باہمی تضادات
(8) سوشلسٹ ممالک وعالمی کمیونسٹ تحریک کا سامراج اور سرمایہ دار ممالک سے تضاد
(9) بنیاد پرستی اور روشن خیالی کے درمیان تضادات
(10) صنفی، قومی، ماحولیاتی اور دیگر تضادات

پارٹی کو اپنی سیاسی لائن اور اہداف واضح کرنے کے لیے مقامی اور عالمی تضادات، ان کی گہرائی اور شدت کا بھرپور ادراک کرنا ہوگا پاکستان میں جاگیرداری باقیات سامراجیت کو Social Base فراہم کرتی ہے۔ جاگیرداری کے ساتھ مل کر گماشتہ سرمایہ دار طبقاتِ سول وملٹری نوکر شاہی تینوں مل کر سامراج کے حق میں سیاسی ومعاشی (Status Que) لاگو کرتی ہیں لہذا سامراج گماشتہ سرمایہ دار جاگیرداری وقبائلی باقیات اور سول و فوجی نوکر شاہی وہ قوتیں ہیں جو پاکستانی سماج کی ترقی میں سب سے بڑی دیوار بن چکی ہیں اس دیوار کو گرائے بغیر پاکستانی سماج آگے نہیں بڑھ سکتا۔

پاکستانی معاشرہ کی سماجی وطبقاتی ساخت

5 پاکستان ایک جدید نو آبادیاتی ریاست ہے جو نو آبادیاتی نظام کا تسلسل ہے جو برطانوی سامراج سے امریکی سامراج کی سرپرستی میں پروان چڑھی ہے ہمارے معاشرے کی بڑی طبقاتی تقسیم کچھ اس طرح ہے:

1۔ جاگیردار۔ بڑے زمیندار اور قبائلی سردار

برطانوی سامراج نے مغلیہ عہد کے منصب دارانہ نیم جاگیردارانہ نظام و مستقل اور مکمل جاگیرداری اور زمینداری میں تبدیل کیا موجودہ زوال پذیر جاگیرداری اور قبائلی باقیات سامراجی عہد کی ظالمانہ یادگار ہیں جاگیرداری اور قبائلی باقیات اب بھی ملک کے اکثر علاقوں میں پوری آب وتاب سے برقرار ہیں بلکہ جدید سے جدید تر ہو رہا ہے جاگیردار بڑے زمیندار اور قبائلی سردار ابھی تک اپنے انتخابی حلقوں میں بہت طاقتور اور بھرپور سماجی معاشی اور سیاسی اثر ورسوخ کے مالک اور انتخابی قوتوں اور ریاستی مشینری پر اثر انداز ہیں اور معاشی، معاشرتی اور سماجی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ تاہم پچاس کی دہائی کے بعد یہ مسلسل تنزلی کا شکار ہیں اور اپنی سمٹتی ہوئی طاقت کے ساتھ سیاسی طور پر تابع کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہیں تاہم جاگیرداری بڑی زمینداری اور قبائلی سرداری نظام کا ثقافتی شکنجہ ابھی تک بہت مضبوط ہے پیر اور گدی نشین دیہی علاقوں میں بہت بڑے اثر ورسوخ کے مالک ہیں اور یہ سب سماجی ترقی اور ملکی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ زرعی شعبہ میں جدید مشین کے عمل دخل سے پیداواری رشتوں اور تعلقات میں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود جنوبی پنجاب سندھ اور دیر علاقوں میں پرانے بٹائی کے رشتے اور طریقے بھی موجود ہیں اور ملک کے مختلف علاقوں میں ان جاگیرداری باقیات کے ساتھ قبائلی رشتے اور تعلقات بھی موجود ہیں۔

2۔ بڑے سرمایہ دار

پاکستان بننے کے بعد 1950 تک اس طبقے کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ بڑی بڑی صنعتیں تجارت کان کنی سروسز، جائیداد کے کاروبار حتیٰ کہ زراعت کے ساتھ بھی یہ طبقہ جڑا ہوا ہے۔ اس طبقے نے 1950ء کے بعد ریاستی اور سامراجی سرپرستی کے تحت پلنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ ترقی کرتا چلا گیا اور سرمائے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس طبقے کی سیاسی طاقت اور ریاستی اداروں میں اثر ورسوخ بھی بڑھتا چلا گیا پھر 1977ء کے بعد ضیا دور میں اور 1990 کے بعد بڑے سرمایہ داروں نے معاشی طور پر بہت حد تک غلبہ حاصل کر لیا اور ریاستی اداروں پر مکمل بالادستی کی کئی بار کامیاب اور ناکام کوششیں کر چکا ہے ان بڑے سرمایہ دار گروہوں کو عالمی سامراجی اداروں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی بھی سرپرستی حاصل رہی ہے اور سامراج کی پالیسیوں کے نفاذ میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے اس ضمن میں پاکستان کا بڑا سرمایہ دار اب ملک کے اندر صنعت لگانے کے بجائے سٹہ بازی یا ملک کے باہر سرمایہ کاری کو ترجیح دیتا ہے۔

نیولبرل گلوبل ایجنڈے کے ماتحت محنت کی تقسیم نے پاکستان کے تاجر کو اشیائے صرف بیچنے کا کام دیا ہے جبکہ مشین بنانے والے کارخانے اور بنیادی صنعتیں سامراجی ممالک نے اپنے پاس رکھی ہیں چھوٹے سرمایہ کار اور تاجر

ملک کے اندر بدلتی ہوئی صورت حال اور غیر مستحکم علاقائی ماحول کے سبب بڑے سرمایہ دار اور کاروباری تاجر اور اس کا اتحادی درمیانہ طبقہ طویل المعیاد پالیسی کے ثمرات کے لیے اپنا سرمایہ اور وقت لگانے کے بجائے فوری کمانے کے موقع اور رجحان رکھتا ہے یہ طبقاتی قوتیں اندرونی طور پر فوج سے اور بیرونی سرپرست امریکہ سے مدد چاہتی ہیں تاکہ کاروبار مستحکم حکومت قائم رہے انہیں اس سے غرض نہیں ہے کہ حکومت جمہوری ہو یا آمریت پر مبنی ہو۔

(3) بیوروکریٹک کیپٹلسٹ (افسر شاہی سرمایہ دار)

پاکستانی معیشت میں فوجی افسر شاہی کے وسیع معاشی واقتصادی مفادات وابستہ ہو چکے ہیں اور اس افسر شاہی سرمائے کا حجم عام سرمائے کے قریب پہنچنے والا ہے لہذا ریاست میں سرمائے کے حجم کے برابر سیاسی حکومتی طاقت حاصل کرنا اس سرمائے کی ضرورت بن گئی ہے جس کے لیے فوج کا ادارہ سیاست میں ملوث ہے اور بار بار مداخلت کرتا چلا آرہا ہے اس ادارے کے مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کی وجہ سے ملک میں ایک نئے سرمائے کی شکل پیدا ہوتی جا رہی ہے جسے Bureaucratic Capital کہا جاتا ہے یہ سرمایہ دن بدن ملکی صنعت وتجارت کے تمام شعبوں میں نہ صرف بڑھ رہا ہے بلکہ مستحکم بھی ہو رہا ہے اب کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں یہ سرمایہ موجود نہ ہو صنعت کے علاوہ ائیرویز، تعمیرات، ٹرانسپورٹ گڈز اور پبلک ٹرانسپورٹ، پٹرول سروسز، بڑے بڑے زرعی فارمز، سڑکوں اور موٹرویز بندرگاہوں کے ٹھیکے سے لے کر اب تک مالیاتی سرمایہ میدان میں آچکا ہے فوجی افسر شاہی کا اقتدار کی ضرورتوں کے ساتھ عام سول سرمائے کا حصہ بن چکا ہے

افسر شاہی سرمایہ فوری طور پر اپنا اتحادی پاکستان کے جاگیردار بڑے زمیندار اور قبائلی سرداروں کو سمجھتا ہے اور اقتدار میں چھوٹے حصہ دار کے طور پر ان کے ساتھ رکھتا ہے فی الحال اس سرمائے کا سامراجی سرمائے سے براہ راست کوئی ٹکراؤ نہیں ہے لہذا اندرون ملک جاگیردار بڑے زمیندار اور قبائلی سردار اور افسر شاہی سرمائے دار سامراج کے اتحادی ہیں جس کی نمایاں ترین مثال پنڈورا اور پاناما کی آف شور کمپنیاں اور بیرون ملک جائیدادیں ہیں۔

4 چھوٹے سرمایہ دار اور زمیندار کسان، درمیانہ طبقہ

(4-a) (دیہی علاقے) زمیندار کسان زرعی اور گھریلو صنعتوں کے مالکان

یہ معاشرے کا جاندار اور متحرک بااثر طبقہ ہے جس نے اپنے شہری ہم منصب طبقے کے ساتھ مل کر پاکستانی ریاست میں کلیدی حیثیت اختیار کر لی ہے یہ طبقہ دیہی علاقوں میں جاگیرداروں، پیروں اور گدی نشینوں، ذات پات، برادری اور فرقہ واریت کے ساتھ ساتھ پاکستانی انتخابی سیاست کا بنیادی کردار بن چکا ہے اسے پچاس کی دہائی سے اقتدار کے ریاستی ڈھانچے میں اہم مقام حاصل ہے اس طبقے کے دیہی وشہری علاقوں کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ریاستی ڈھانچے کو کنٹرول کرنے والی سول بیوروکریسی اور فوجی ادارے زیادہ تر انہیں پرتوں اور تنخواہ دار طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔

شہری علاقے کی مڈل کلاس دیہی علاقوں کے ہم پلہ طبقات پر مشتمل ہے جس میں تنخواہ دار طبقہ چھوٹی صنعتوں کے شہری مالکان، تاجر، دوکاندار پیشہ ورانہ سروسز فراہم کرنے والے وکیل، انجینئر، ڈاکٹر، منیجرز، وغیرہ شامل ہیں یہ معاشرے کی متحرک مڈل کلاس ہے جو انگریزی اور جدید تعلیم سے آراستہ ہے اور اپنے متحرک پن کی

وجہ سے الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا پر آواز بلند کرنے والا حصہ ہے یہ جلدی آگے بڑھنے اور خواہشات رکھنے والے بیتاب ہیں جو سیاست میں دلچسپی کا اظہار بھی کرتا ہے اور کم تعلیم یافتہ دیہی درمیانہ طبقات کے مقابلے یں ریاستی اقتدار حاصل کرنے کی خواہش بھی رکھتا ہے۔

6

5 محنت کش طبقات

محنت کش طبقات بھی مختلف حصوں پر مشتمل ہیں اور شہری و دیہی علاقوں میں کہیں منظّم اور کہیں غیر منظّم ہیں۔ پاکستان کی ساٹھ فیصد آبادی دیہاتوں پر مشتمل ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں دیہی علاقے حکومت بنانے الیکشن کے مہرے اور شہری علاقے حکومت گرانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(5-a) دیہی علاقوں کے محنت کش

دیہی علاقوں کے زمین مالکان کسان کھیت مزدو دیہی کاشتکار اور نچلی ذاتوں کے لوگوں کو محنت کش طبقات میں شامل کیا جاتا ہے دیہی سماج کی بہت بڑی تعداد چھوٹے پیمانے پر اور دیہاڑی دار مزدور کے طور پر گزارا کرنے پر مجبور ہے یہ طبقات تعداد میں سب سے زیادہ لیکن سیاسی شعور اور تنظیم سے بے بہرہ ہیں پاکستان میں چند علاقوں کی کسان تحریکوں کے علاوہ یہ بہت کم ہی سیاسی سرگرمی و تحریک کا حصہ بنتے ہیں تاہم ملک میں عام انتخابات کے موقع پر یہ طبقات علاقائی بااثر طبقات کے سیاسی مجاہدوں کے طور پر خاصے پرجوش ہوتے ہیں۔

(5-b) شہری علاقوں کے محنت کش

شہری علاقوں کے محنت کش صنعتی مزدوروں، پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر میں کام کرنے والے مزدوروں اور دفتروں اور بازاروں میں کام کرنے والے ورکرز اور کاریگروں پر مشتمل ہیں دیہی علاقوں میں بیروزگاری اور شہروں میں قدرے روزگار کے مواقع کے پیشِ نظر دیہی علاقوں سے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد شہر کی طرف ہجرت کر کے اس طبقے کی تعداد میں اضافہ کر رہی ہے اور شہروں کا حجم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یہ زیادہ متحرک اور سیاسی طور پر فعال ہیں اور بڑی سیاسی پارٹیوں اور مذہبی جماعتوں میں متحرک ہیں اور جلسے جلوسوں میں بھی متحرک ہوتے ہیں ان میں قابل ذکر طبقاتی شعور بھی ہے جس کے نتیجے میں ۶۰ اور ۷۰ کی دہائی میں ٹریڈ یونین اور شہری مڈل کلاس طلبہ و وکیلوں کی تنظیموں نے متحرک کردار ادا کیا ہے۔

پاکستانی سماج کے اس مختصر طبقاتی تجزیے کے نتیجے میں ملکی سیاست میں چار بڑے پلیئرز اور موثر سیاسی طاقتیں ہیں۔

پاکستان کی عسکریت پرست خصوصیات

فوجی اسٹبشلمنٹ اور اس کے جونئر حصہ دار سول بیوروکریسی

یہ اب طبقاتی قوت بن چکی ہے جو افسر شاہی سرمائے کی نمائندہ ہے فوج کا ملکی سلامتی اور قومی مفاد کے نام پر استعمال کر کے اپنی سیاسی اور معاشی بالادستی قائم رکھے ہوئے ہے اور مختلف سیاسی قوتوں کی لیڈر شپ اور اداروں تک فوج کے ذیلی اداروں اور اینٹلی جنس ایجنسیوں کو دسترس اور کنٹرول حاصل ہے تاہم ملٹری اسٹبلشمنٹ کو ایٹمی صلاحیت کے چھن جانے یا اس میں کمی کے لیے علاقائی اور عالمی دباؤ کا سامنا ہے۔ فوج ان سیاسی جماعتوں اور قوتوں کے بارے میں چوکنی رہتی ہے جو فوج کے ریاستی معمولات سے ہٹ کر سیاسی

معاملات میں کھلی دخل اندازی پر تنقید کرتی ہیں۔

مذہبی پارٹیاں اور مذہبی دائیں بازو کے متعدد گروہ

اب تک کی سیاست میں مذہبی گروہ اور پارٹیاں پریشر گروپ کے طور پر استعمال ہوتی چلی آ رہی ہیں طبقاتی طور پر تمام مذہبی گروہ مڈل کلاس سے لے کر لمپن گروہوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ سامراج نے شروع دن سے فوج اور مذہبی پریشر گروپ کو اپنی حکمت عملی میں خاص جگہ دی ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ مذہبی پارٹیوں کے عوام دشمن رجحانات کو مضبوط بنانے میں اسٹبلشمنٹ کا بنیادی کردار رہا ہے پاکستان کے قیام کے وقت واضح طور پر بیان کیے گئے سیکولر نقطہ نظر کے برخلاف جو مذہبی گروہ پاکستان کے خلاف تھے ان کی ہی حوصلہ افزائی کی گئی اور امریکی سامراجی پالیسی کے تحت مذہب کو سماجی تبدیلی کی قوتوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا اور پاکستان کو سیکولر ریاست کے تصور سے ہٹا کر مذہبی ریاست بنانے کے راستے پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کام کے لیے کبھی نظام مصطفیٰ اور کبھی ریاست مدینہ کے نعرے استعمال کیے جاتے ہیں مذہبی جماعتیں اب اتنی طاقتور بنا دی گئی ہیں کہ وہ سماجی زندگی کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ سوویت یونین کے خلاف جہاد اور بعد ازاں امریکہ کے خلاف نام نہاد جہاد سے یہ پارٹیاں اب اتنی طاقتور ہو گئی ہیں کہ انتہا پسندوں کی جانب سے قتل کیے جانے کے خوف کی بنیاد پر نظریاتی مسائل پر کوئی روشن خیال گفتگو کرنا محال ہو گیا ہے بین الاقوامی اور مقامی جہادی تنظیمیں تشدد پسند گروپوں اور جرائم پیشہ گروہوں کے پھیلے ہوئے جال سے جڑ کر ان کارروائیوں میں شریک ہیں یہ فرقہ پرست اور جرائم پیشہ گروہ مذہبی اقلیتوں کو نشانہ بنا رہے ہیں اور مختلف نوعیت کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس لوٹ میں سے جہادیوں کو وسائل فراہم کرتے ہیں امریکہ۔ سعودی عرب اور ایران وغیرہ اس علاقے میں دلچسپی رکھنے والی ریاستوں کو نظریاتی اور عالمی معاونت سے دائیں بازو کی مذہبی جماعتیں گروہ اور پریشر گروپ جنگجو طاقتوں کے اشارے پر آپس میں لڑائی بھی لڑتے ہیں اور لوگوں کے فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دیتے ہیں تاکہ وہ خود اپنے لیے عالمی مفادات اور سیاسی طاقت حاصل کر سکیں۔

سامراجیت اور دنیا میں ترقی پسند سیاست کے امکانات

سوویت یونین، مشرقی یورپ میں سوشلزم کی پسپائی کے بعد سے سامراجی دنیا نے مژدہ سنایا تھا کہ تاریخ کا اختتام ہو گیا ہے اور سوشلزم اب قصۂ پارینہ بن چکا ہے اور اب سرمایہ داری ایسا آفاقی نظام بن چکا ہے جس میں ترقی کی تمام منزلیں طے کرنے کی خصوصیات موجود ہیں اور مزید یہ کہ سرمایہ داری نظام لازوال ہے جبکہ عملی صورتحال اس سے مختلف ہے سوویت یونین کی پسپائی کے بعد دنیا میں واحد سپر طاقت کا تصور پیدا ہوا اور امریکی سامراج ساری دنیا پر حملہ آور ہوا افغانستان، عراق، شام، لیبیا، فلسطین اور یمن وغیرہ میں ہزاروں لوگ موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں جبکہ ایران اور کیوبا پر اقتصادی پابندیاں جاری ہیں اور لاطینی امریکہ کے اندر منتخب بائیں بازو کی حکومتوں پر آئے روز وار کیا جاتا ہے۔

تاہم گزشتہ بیس سالوں سے چین کی بڑھتی ہوئی اقتصادی و فوجی قوت اس کے بہت سے مما لک کے ساتھ بڑھتے ہوئے اقتصادی تعلقات عالمی معاملات میں نمایاں کردار کے نتیجے میں امریکہ کی وہ حیثیت نہیں رہی جو کہ سرد جنگ کے خاتمے کے وقت تھی۔ ٹرمپ اور پھر جو بائیڈن کی صدارت سنبھالنے کے بعد امریکہ نے چین

کے خلاف ''نئی سرد جنگ'' کا آغاز بھی کر دیا ہے ایک طرف چین نے زیادہ کھل کر امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کو للکارنا شروع کر دیا ہے تو دوسری طرف وہ افریقہ اور ایشیا کے کئی ممالک میں بڑے انفراسٹرکچر کے پروجیکٹ کے ذریعے معاشی طاقت کا بھی اظہار کر رہا ہے امریکہ نے برطانیہ اور آسٹریلیا نے ایک خصوصی سیکوریٹی معاہدے کا اعلان کیا ہے جس کا مقصد چین کی بڑھتی ہوئی عسکری، معاشی قوت پر روک لگانا ہے دفاعی اتحاد کے تحت امریکہ کی جانب سے آسٹریلیا کو جوہری طاقت سے لیس جدید ترین ٹیکنالوجی فراہم کی جائے گی یہ پیش رفت ایک ایسے وقت میں کی گئی ہے جب امریکہ اور اس کے اتحادی سامراجی ملکوں کے چین کے ساتھ تعلقات میں کشیدگی بڑھ رہی ہے چین اور سامراجی ملکوں کے مابین صرف تجارتی تضاد ہی نہیں ہے بلکہ چین کا معلومات انقلاب میں بڑھتا ہوا کردار اور جدید ٹیکنالوجی کے حصول کو سامراجی ممالک قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کے نتیجے میں عالمی سیاسی حالات میں مزید کشیدگی کا امکان ہے۔

یہ وقت بتائے گا کہ مغربی سامراج کو درپیش چیلنج محض سرمایہ دارانہ نظام کے اندر طاقت کے توازن کو تبدیل کرنے کا باعث بنے گا یا عالمی سطح پر باقاعدہ متبادل سیاسی معاشی نظام کی نئی بنیاد رکھی جائے گی ایک طرف امریکہ ہے جس نے دنیا پر اپنا فوجی تسلط قائم کیا ہوا ہے امریکی ڈالر آج بھی دنیا کی ریزرو کرنسی ہے اور اسی امریکہ کی ''سلیکان ویلی'' ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا مرکز ہے تاہم اگر امریکہ مالیاتی سرمائے کا مرکز ہے تو صنعتی لحاظ سے چین دنیا کی سب سے بڑی معیشت بننے جا رہا ہے اور چین میں بننے والی مصنوعات دنیا بھر کی منڈیوں میں گردش کرتی ہیں۔ٹیکنالوجی کے شعبے میں بھی چین نے بیحد ترقی کی ہے اور اب کسی حد تک امریکی کمپنیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی پوزیشن بن رہی ہے تاہم بہت سی کمپنیاں اب بھی ملٹی نیشنل کہلاتی ہیں جو کہ کسی ایک ملک کے تابع نہیں ہیں اس کا قطعی طور پر یہ مطلب نہیں ہے کہ امریکہ یا چین کے الگ الگ مفادات نہیں ہیں اس ضمن میں پاکستان کے عوام دوست حلقوں کو دنیا بھر کی ترقی پسند قوتوں کے تجربات سے سیکھنے کی اشد ضرورت ہے جدید نوآبادیاتی نظام کو دوسری جنگ عظیم کے بعد آئی ایم ایف اور دیگر مالیاتی اداروں کی صورت میں قائم رکھا گیا ہے یہی ادارے ہیں جو کہ قرضوں کا جال بچھا کر اور نجی سرمایہ کاروں کو تحفظ فراہم کر کے سامراجی مفادات کے حصول کو ممکن بناتے ہیں گزشتہ ۲۳ دہائیوں میں سامراج مخالف سیاست سب سے زیادہ لاطینی امریکہ کے خطے میں پھلی پھولی ہے۔

مجموعی طور پر دنیا بھر میں طرح طرح کی عوام دوست تحریکوں کے ابھرنے کے ساتھ ساتھ ستر (۷۰) سے زائد کمیونسٹ اور ورکرز پارٹیوں کا سالانہ اجلاس عالمی کمیونسٹ تحریک میں ایک خوش آئند پیشرفت ہے عوامی ورکرز پارٹی دنیا کی تمام ترقی پسند سیاسی قوتوں کے اس سالانہ اجلاس کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتی ہے اس اجلاس کے ذریعے دنیا بھر کی کمیونسٹ تحریک کو ایک دوسرے سے سیکھنے کے مواقع فراہم ہو رہے ہیں۔ عالمی کمیونسٹ تحریک اور دیگر عوام دوست سیاسی لہروں کا اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے مختلف خطوں اور ممالک میں کمیونسٹ تحریک کے انتشار سے عالمی سامراجی اور علاقائی سرمایہ دار ریاستوں کو فائدہ ہوا ہے جس کے نتیجے میں سرمایہ دار ریاستیں عوام دشمن ایجنڈے کی تکمیل میں کامیاب رہی ہیں لہذا عوامی ورکرز پارٹی عالمی کمیونسٹ اور ورکرز پارٹیوں کے سالانہ اجتماع اور عالمی معاملات پر تبادلہ خیال کو مفید قرار دیتے ہوئے ان کی حمایت کرتی ہے۔

سوشلسٹ ممالک

سوویت یونین کی پسپائی کے بعد دنیا بھر میں جو سوشلسٹ حکومتیں قائم رہ گئی جنھوں نے اپنے اندر تبدیلی کا عمل شروع کیا بلکہ چین اور ویت نام نے تو 1968 میں ہی اس سلسلے کا آغاز کر لیا تھا اس عرصے میں چین نے اپنی معاشی طاقت میں بہت اضافہ کیا ہے ویت نام اور کیوبا نے بھی اپنے اپنے طریقوں سے اپنی معیشتوں کو عالمی منڈی کے ساتھ جوڑنے کا عمل جاری رکھا ہوا ہے چین کے مخصوص کیس میں دیہات اور زراعت سے کروڑوں لوگ شہر اور صنعت میں منتقل ہوئے ہیں اور مجموعی طور پر ترقی کی بہت سی نئی منزلیں طے کی گئی ہیں اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ''آزاد منڈی'' کو مکمل طور پر اپنانے کی بجائے سوشلسٹ حکومتوں نے معیشت کو اپنے کنٹرول میں رکھا ہے خاص طور پر زمین، صنعت اور دیگر قدرتی وسائل کی ملکیت۔

اعداد وشمار کے مطابق چین کی جی ڈی پی کا 67 فیصد مرکزی حکومت کے کنٹرول میں ہے جس میں تمام بڑی صنعتیں شامل، ہیں اس کے علاوہ تمام بینک حکومتی ملکیت کے ماتحت ہیں جس میں پیپلز بینک آف چائنا Regulatory Authority کے طور پر موجود ہے جو چار بڑے کمرشل بینکوں کو کنٹرول کرتا ہے اور یہ بنک بھی چین کی مرکزی حکومت کے ماتحت ہے۔چین میں تمام ساری شہری زمین ریاستی ملکیت میں ہے۔اور زرعی زمین کا 53 فیصد براہ راست ریاست کی ملکیت ہے اور 47 فیصد اجتماعی زرعی فارموں کی شکل میں موجود ہے چین کی کمیونسٹ پارٹی کے مطابق انہوں نے اشتراکیت پذیر معاشی پالیسی اختیار کرتے ہوئے عوام کو تعلیم، صحت، روزگار کے حصول اور افلاس کے خاتمے کے مختصر اور طویل مدتی ٹارگٹ مقرر کیے ہیں۔

زمین، صنعت اور دیگر پیداواری وسائل کے ریاستی تحویل میں رہنے کے باوجود 1986 کے مقابلے میں چین میں آج ارب پتیوں کی تعداد دنیا کے بہت سے ممالک سے زیادہ ہوگئی ہے جبکہ ماحولیات کی تباہی خطرناک حد تک جا چکی ہے جس کو اب کنٹرول کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے یاد رہے کہ ان ممالک کی صنعتی ترقی اس لیے ممکن ہوئی کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے مغرب سے فیکٹریاں منتقل کیں تا کہ سستی محنت کا فائدہ اٹھایا جا سکے اب چین اور ویت نام میں بھی لامحدود سستی محنت کا دور ختم ہونے جا رہا ہے چنانچہ صنعتی پیداوار کے ساتھ ساتھ اب چین دنیا بھر میں روڈز اور دیگر انفراسٹرکچر بنانے کی طرف جا رہا ہے اس ضمن میں ایک کھرب ڈالر سے زیادہ Belt & Road Initiative کے نام سے سرمایہ کاری کے منصوبے پر عمل ہو رہا ہے جو کہ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک کو چین کی معیشت کے ساتھ جوڑے گا اس ضمن میں CPEC سب سے نمایاں منصوبہ ہے۔عوامی ورکرز پارٹی جہاں علاقائی معاشی تعاون کے حق میں ہے وہیں سی پیک جیسے منصوبے مقامی طور پر اگر محنت کش اکثریت اور مظلوم اقوام کے مفادات سے مطابقت نہیں رکھتے تو ہم پارٹی پروگرام کے طے شدہ اصولوں کے تحت ان صنعتی اور دیگر منصوبوں میں پسماندہ اقوام اور محنت کشوں کے معاشی وسماجی حقوق کے حصول کی جدوجہد کرتے رہیں گے۔

یورپ اور امریکا کا ''نیا'' بایاں بازو

2008 کے مالیاتی کریش کے بعد "We are the 99%" کی تحریک وجود میں آئی جس میں مختلف عوامی حلقوں کی شمولیت یقینی بنانے کی کوشش کی گئی اس سے قبل امریکی سامراج کی جنگجو پالیسیوں کے

خلاف 2003 میں عراق پر ہونیوالے حملے کے خلاف بھی سماج کی مختلف پرتوں نے بڑی مزاحمتی تحریک کو جنم دیا ان تحریکوں کا مجموعی نتیجہ ہے کہ امریکہ میں برنی سانڈرز اور برطانیہ میں جیرمی کاربن صدارت اور وزارت عظمٰی کے لیے جاندار امیدوار کے طور پر ابھرے اس سے پہلے یونان میں سیرزا اور اسپین میں پوڈیموس اسی ابھار کے نتیجے میں مختصر وقت کے لیے اقتدار حاصل کر چکے ہیں ان تحریکوں میں بھی عوام کے وسیع تر حلقے نے شمولیت اختیار کی بشمول ''سفید پوش'' طبقات کے جو مالیاتی سرمائے کی بے لگام اجارہ داری سے تنگ ہیں جو کہ ان معاشروں میں بڑھتی ہوئی سماجی و معاشی ناہمواری کا شکار ہیں اور جن کو یہ بھی نظر آنا شروع ہو گیا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام آنے والی نسلوں کے لیے تباہی کا باعث ہوگا۔

تاہم ان تحریکوں کے مسائل واضح ہیں مثال کے طور پر سیریزا کو عوام کی بھاری اکثریت نے آئی ایم ایف اور یورپی یونین کی مسلط کردہ "austerity" پالیسیوں کے خلاف جو مینڈیٹ فراہم کیا مگر حکومت آخرکار ان طاقتوں کے سامنے لاجواب ہوگئی جبکہ امریکہ اور برطانیہ میں انتخابی جیت نصیب نہ ہوئی مغربی ممالک کے ترقی پسندوں کو وہی سوال درپیش ہے جو باقی دنیا کے ترقی پسندوں کو ہے کہ کیا محض سرمایہ دارانہ نظام کے اندر رہتے ہوئے عوام کی اکثریت کی معاشی، سماجی، نفسیاتی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں ہمارے نکتہ نظر میں آج ایک واضح متبادل سوشلسٹ نظام کی ضرورت ہے۔

جنوبی ایشیا

ہمارے خطے میں نیولبرل معیشت کا تسلط موجود ہے۔ ہندوستان جو کہ سرد جنگ کے دوران غیر جانبدار خارجہ اور کسی حد تک سوشلسٹ معاشی پالیسیوں کا حامی تھا آج BJP کی حکمرانی میں مکمل طور پر عوام دشمن اور سامراجیت نواز کردار ادا کر رہا ہے امریکہ میں ٹرمپ، برازیل میں بوسینا، ترکی میں اردگان کے ساتھ ہندوستان میں مودی کی نفرت انگیز سیاست نے مڈل کلاس اور محنت کشوں میں بھی رجعتی نظریات کو مقبول عام کر دیا ہے جموں کشمیر میں آئین کے آرٹیکل 370 کی منسوخی ہے جس سے جموں، کشمیر اور لداخ کے عوام کے بنیادی حقوق مزید پامال ہو گئے ہیں۔

کشمیر میں حق خودارادیت کے لیے آواز بلند کرنے والوں میں بایاں باز و سرفہرست ہے مگر مجموعی طور پر کمیونسٹ تحریک عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے جبر کے سامنے کافی حد تک بے بس نظر آتی ہے چند سال پہلے تک مین اسٹریم کمیونسٹ پارٹیوں نے بیرونی سرمایہ کاری کی پالیسی کو اپنایا تھا اور اس سلسلے میں Land Acquisition کے عوام دشمن قوانین کو استعمال کیا جس کا انہوں نے مسلسل انتخابات میں شکست کی صورت میں خمیازہ بھگتا۔ آج ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹیاں اور بائیں بازو کے دیگر حلقے منظّم ہو کر نیولبرل پالیسیوں اور نفرت انگیز دائیں بازو کے خلاف عوام کو متبادل فراہم کرنے کے لیے کوشاں ہیں کسانوں، مزدوروں اور محنت کشوں کے بحیثیت مجموعی بڑے بڑے مظاہرے اس بات کا ثبوت ہیں کہ بنیادی سماجی تبدیلی اور علاقائی طور پر امن اور دوستی قائم کرنے کے امکانات بہرحال موجود ہیں۔

بنگلہ دیش میں بھی ''آزاد منڈی'' پر تقریباً ساری مین اسٹریم پارٹیوں کا اتفاق ہے بیشک ترقی کی شرح سات فیصد سے زیادہ ہے مگر ناہمواری اور اس کے ساتھ رجعتی نظریات کا اثر بڑھ رہا ہے بیسویں صدی کی تمام

سینٹر لیفٹ پارٹیوں کی طرح عوامی لیگ کی معاشی پالیسیاں اور مارشل لا کی باقیات جو کہ بی این پی کی شکل میں موجود ان میں زیادہ فرق نہیں رہا۔

نیپال وہ ملک ہے جو کہ خطے میں سرمایہ دارانہ بربریت کے ٹھوس متبادل کی تعمیر میں سب سے آگے ہے۔ بائیں بازو کے عرصہ دراز سے بکھرے ہوئے حلقوں نے متحدہ حکومت قائم کر کے سوشلزم کی طرف لمبے سفر کا باقاعدہ آغاز کر لیا ہے نئے اور متفقہ آئین کے آرٹیکل 4(i) میں واضح ہے

Nepal is an independant, indivisible, soverign, secular,inclusive democratic, socialism-oriented federal democratic republican state.

یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں کہ بادشاہت کے خاتمے، بنیادی انسانی حقوق کی بحالی، جمہوریت کا استحکام، وفاقی ریاست کا قیام، پارلیمنٹ کا استحکام اور بالادستی، سیکولرازم کا اعلان، استحصال کے خاتمے کے اقدامات، عدلیہ کی آزادی، لوکل گورنمنٹ سسٹم کا قیام سوشلزم کے راستے کی طرف سفر کا اعلان، نیشنل ہیومن رائٹس کا قیام، نیشنل وومن کمیشن کا قیام، نیشنل دولت کمیشن اور سب سے اہم بات کہ جاگیردارانہ سماج کے خاتمے کی طرف اقدامات اٹھانے سے نیپال ہمارے لیے مشعل راہ ہے مگر دیگر دنیا بائیں بازو کی قوتوں کی طرح نیپال میں بھی بہت سے چیلنج باقی ہیں کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام سے ایک چھوٹا سا ملک کیسے نجات پائے گا؟

پاکستان کی مرکزی دھارے کی سیاست

پاکستان بننے کے تقریباً آٹھ دہائیوں کے بعد عام محنت کش ریاست کی نظروں میں رعایا (Subject) ہے نہ کہ شہری (Citizen)۔ آج مالیاتی سرمائے کی اجارہ داری کے دور میں ریاست کا رویہ اور بھی زیادہ خوفناک ہو چکا ہے تاہم نظام کی بربریت کے خلاف بہرحال تحریکیں منظّم ہوتی رہتی ہیں جن میں سے اکثریت کا مقصد عالمی سرمائے اور ریاست کی قبضہ گیری کو روکنا ہے کبھی زمین، کبھی پانی، کبھی چھت، کبھی روزگار اور کبھی زندگی کو بچانے کے لیے عوامی حلقے متحرک نظر آتے ہیں طبقاتی جدوجہد کے ساتھ ساتھ محکوم اقوام مسلسل حکمرانوں کی مرکزیت پسندی کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں جبکہ فیمنسٹ تحریکیں پدرسری نظام کی بنیادوں کو ہلاتی رہتی ہیں۔

پاکستان میں شاید سب سے زیادہ عوامی ردعمل اسٹبلشمنٹ اور بالخصوص خفیہ ایجنسیوں کی اس وحشیانہ پالیسی کے خلاف نظر آتا ہے جس کے تحت سیاسی و سماجی کارکنان کو اغوا کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی ان کی لاشیں بھی ملتی ہیں ۔عدالتیں۔ میڈیا اور مین اسٹریم پارٹیاں ''مسنگ پرسنز'' کے حوالے سے شور ضرور کرتی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی اسٹبلشمنٹ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں اسٹبلشمنٹ پاکستان میں معاشی اور سیاسی طور پر بالادست ہے جبکہ اس کی نظریاتی یلغار ستر سالوں کے بعد بھی قائم و دائم ہے شروع دن سے ہندوستان، افغانستان اور دیگر علاقائی ممالک کے ساتھ کشیدگی کو جان بوجھ کر ابھارا گیا اور آج کے دن تک کہا جاتا ہے کہ پاکستان ''نازک دور'' سے گزر رہا ہے۔ تعلیمی نظام اور میڈیا کے تحت مسلح افواج کو واحد ادارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آج دن تک کہا جاتا ہے کہ یہ ادارہ اسلام اور پاکستان کے دشمنوں سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے ایسے میں اسٹبلشمنٹ

نے ’’قومی سلامتی‘‘ کے نام پر معاشی وسائل پر اجارہ داری قائم کی ہوئی ہے اور بیرونی سازشوں سے ملک کو بچانے کے نام پر پاکستان کی کثیر القوامی حیثیت سے انکار کرتے ہوئے جمہوری سیاسی عمل کا ہر ممکن مرحلہ پر گلا گھونٹا جاتا ہے حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ جرنیلوں نے ہمیشہ ذاتی فائدے کے لیے سامراجی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس خوشنودی کے لیے انہیں ملکی مفاد کی صورت میں کچھ نہ کچھ قربان کرنا پڑا ہے۔

آج پاکستان میں جرنیلوں کو خود اقتدار پر قبضہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی کیونکہ وہ سیاستدانوں کو آگے کر کے فرسودہ نظام کو مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے چلاتے رہتے ہیں منتخب حکومتوں پر اگر کوئی اور ڈنڈا نہ بھی چل سکے تو اسٹیبلشمنٹ کے پاس ایک ہتھیار ہمیشہ رہتا ہے اسلام کے نام پر جو مذہبی عسکریت پسند گروہوں کو جرنیلوں نے 1970 کی دہائی سے پالے وہ آج خطہ اور خود پاکستان کے عوام کے لیے عذاب بن گئے ہیں دہشت گردی فرقہ واریت اور مجموعی طور پر نفرت کی سیاست عروج پر پہنچ چکی ہے جس کی خوفناک ترین مثال 2017 میں مردان کے ایک ترقی پسند طالب علم مثال خان کا اپنے ہی ساتھی نوجوانوں کے ہاتھوں دن دیہاڑے قتل تھا علاوہ ازیں بریلوی فرقہ جو کہ عمومی طور پر امن پسند سمجھا جاتا ہے اب دیگر فرقوں کی طرح تشدد پرست ہوتا جا رہا ہے۔

2018ء کے انتخابات میں جو تماشہ لگایا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انتظامی اختیارات و معمولات میں فوج اور عدلیہ کی کھلی مداخلت ہو رہی ہے اور میڈیا مکمل طور پر نظر نہ آنے والی طاقتوں کے کنٹرول میں ہے اور یہ تاثر عام ہے کہ پاکستان میں سول و جوڈیشل مارشل لا کی کیفیت ہے پاکستان کی مین اسٹریم سیاسی جماعتیں اسٹیبلشمنٹ پرست نظام کو تبدیل کرنے کی نہ خواہش اور نہ ہی صلاحیت رکھتی ہیں اس طرح پاکستان کے مخصوص طرز سرمایہ داری کا سب سے بڑا محافظ فوجی اسٹیبلشمنٹ ہے جبکہ مین اسٹریم کی سیاسی پارٹیاں بمع مذہبی جماعتیں ان کی بی ٹیم کے طور پر باریاں لیتی ہیں۔ انتخابات میں پیسہ کا دخل اتنا ہو گیا ہے کہ بائیں بازو کی جماعتوں کے لیے سانس لینا مشکل ہے جبکہ دوسری طرف نام نہاد ترقی اور ’’قومی سلامتی‘‘ کے علاوہ متبادل نظریاتی نکتہ نظر متعارف کرنے کے لیے میڈیا گنجائش ہی نہیں چھوڑتا جن کے سروں پر اسٹیبلشمنٹ ہاتھ رکھتی ہے وہ الیکشن جیت جاتے ہیں اور پھر تھوڑے عرصے کے اندر اسی حکمران جماعت کو اسٹیبلشمنٹ کمزور لگنے لگتی ہے تاکہ ’’قومی سلامتی‘‘ کی ریاست و معیشت کو کسی بھی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہو۔

سیاست میں فوج کا کردار

پاکستانی سیاست و معیشت کا تجزیہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک سیاست میں فوج کے کردار کو زیر بحث نہ لایا جائے پاکستان آرمی کا طبقاتی اور سیاسی کردار ایک تاریخی پس منظر کا حامل ہے تاریخی طور پر پاکستانی فوج رائیل انڈین آرمی کا تسلسل ہے دوسری جنگ عظیم کے نتائج نے ساری دنیا کی سیاست اور معیشت کو تبدیل کر دیا برطانیہ کا نوآبادیاتی نظام کمزور ہو گیا اور نوآبادیاں آزادی کی طرف سفر کرنے لگیں اسی جنگ کے نتیجے میں سوشلسٹ کیمپ کا قیام ایک کیفیتی تبدیلی تھی دوسری بڑی تبدیلی امریکہ کا سب سے بڑی سامراجی طاقت بن کر ابھرنا تھا ان بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر جنوبی ایشیا اور بحیرہ عرب پر امریکی سامراج کی خاص نظر تھی امریکہ نے اقتصادی امداد اور فوجی معاہدوں کے ذریعہ ایشیا اور افریقہ کے نوآزاد ملکوں کو مطیع کیا یہ برطانوی سامراج کے نوآبادیاتی نظام کے برعکس سامراجی تسلط کا جدید نوآبادیاتی نظام ہے پاکستان کو برطانوی ورثے

میں ملا ہوا نوآبادیاتی نظام جلد ہی جدید نوآبادیاتی نظام کا شمار ہو گیا فوج اس تسلسل کا اہم جز تھی ہمارے حصے میں آنے والی فوج برطانوی نوآبادیاتی فوج کا ہی ایک حصہ تھی تاریخی طور پر یہ فوج برطانوی نوآبادیات میں اٹھنے والی تحریک آزادی کو کچلنے والی فوج تھی اس کی بنیادی ساخت میں ایک خرابی یہ تھی کہ اس کی پرورش قومی انداز میں نہیں بلکہ سامراجی پالیسیوں کے تسلسل کے نتیجے میں ہوئی ہماری فوج کا عالمی سامراج سے کوئی تضاد نہیں تھا بلکہ یہ سامراج کی عالمی حکمت عملیوں کا حصہ رہی پاکستانی سیاست کا کوئی باب اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک فوج کا سیاسی معاشی کردار عالمی سامراج کے ساتھ اس کے تعلقات کو زیر بحث نہ لایا جائے۔

ایوب خان نے فوج کو سیاست پر حاوی کرنے اور امریکی سامراج کو پاکستان کی سیاست و معیشت کمزور کرنے کے لیے دونوں کام بیک وقت کیے ذوالفقار علی بھٹو کے امریکہ کے ساتھ اختلافات کسی سے پوشیدہ نہیں اور بعد میں آنے والی حکومتوں خاص کر نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کی حکومتوں نے کچھ کوششیں کیں لیکن فوج کی سیاست میں بالادستی اور امریکہ کے ساتھ خصوصی مراسم کے باعث یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں کیونکہ پاکستانی فوج کی تعمیر میں امریکی امداد کا عنصر سب سے زیادہ ہے اگرچہ فوج کی تعمیر کی قیمت میں پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی امریکی دفتر خارجہ کے پاس گروی رکھنا پڑی اور اس دفتر کی اطاعت ہم پر لازم ہو گئی خصوصی طور پر جب ملک میں فوجی حکومتیں مسلط رہیں امریکی سامراج دو قسم کے حربے استعمال کرتا رہا جب فوج مکمل طور پر امریکی اسلحہ اور گولہ بارود پر انحصار کرتی ہو تو امریکہ کی ناراضگی فوج کو ناکارہ بنا سکتی ہے یعنی اگر بندوق ہے اور گولی نہیں ہے تو بندوق بیکار ہے لہذا پاکستان کے حکمرانوں کے لیے امریکہ کی خوشنودی لازمی ہوتی ہے۔

تاہم فوجی حکمران زندگی کے حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور ان سے چشم پوشی کرتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ سامراجی طاقتیں کبھی قابل اعتماد دوست نہیں ہوتیں وہ پھر بھی ان پر تکیہ کرتے ہیں اور اپنے ملک میں اقتدار پر قبضہ کرنے سے نہ تو ان کو نمائندہ حیثیت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی قوم کا اعتماد اس لیے ضرورتاً وہ اپنے ذاتی فائدے کے لیے سامراجی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس خوشنودی کے لیے انہیں ملکی مفاد کی صورت میں کچھ نہ کچھ قربان کرنا پڑتا ہے پاکستانی فوج کو سیاست میں ستر سال کا تجربہ اور ملکہ حاصل ہے وہ خود حکومت میں نہ ہوں تو پھر ایک کمزور حکومت کو اقتدار دلواتے ہیں جس کا واحد سہارا فوج ہوتی ہے۔

فوج سول معاملات اور سیاست میں اتنی کھل کر کبھی سامنے نہیں آئی جتنا 2018 کے الیکشن میں جس بھونڈے طریقے سے نواز شریف حکومت کو دیوار سے لگایا گیا اور پی ٹی آئی کو اقتدار میں لانے کے لیے جو حربے استعمال کیے گئے اس پر سیاسی تاریخ ہمیشہ شرمندہ رہے گی فوج کا سیاست میں عمل دخل جیسے بھی ہو اس کی سیاسی و سامراجی مفادات کے ساتھ ساتھ ایک پہلو اور بھی ہے وہ خالصتاً معاشی پہلو ہے جس کو سامنے لائے بغیر فوج کا سیاست میں عمل دخل پر تجزیہ مکمل نہیں ہوتا۔

پاکستان میں فوج کا ادارہ صرف ایک ریاستی ادارہ ہی نہیں رہا بلکہ اس کی حیثیت اور کیفیت میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں اب پاکستان فوج کے پاکستانی ریاست میں وسیع معاشی مفادات بن چکے ہیں پچھلی کئی دہائیوں سے فوجی افسران کو بڑے پیمانے پر ریٹائرمنٹ پر زرعی زمینات کی الاٹمنٹ جاری ہے اور آج ان کا بڑے زمینداروں میں شمار ہوتا ہے لہذا فوجی اسٹیبلشمنٹ بنیادی زرعی اصلاحات کی

مخالف ہے دوسری طرف صنعتی اور تجارتی شعبوں میں فوج کا سرمایہ بڑھ رہا ہے اور مستحکم بھی ہو رہا ہے فوج کا ادارہ ویلفیئر فاؤنڈیشن کئی صنعتوں اور پروجیکٹس میں بیس ارب ڈالر سے زائد ملکیت رکھتا ہے جس میں دس ارب ڈالر کی زمین اور دس ارب ڈالر سے زائد پرائیویٹ اثاثے ہیں پاکستان ہیوی مینوفیکچرنگ کا 1/3 حصہ آرمی مینوفیکچرنگ پر مشتمل ہے اور پاکستان کے کل نجی اثاثہ جات کا سات فیصد فوج کے پاس ہے۔ ایک اسٹڈی کے مطابق 35 فیصد کارپوریٹ کیپٹل فوجی اداروں کا ہے دیگر اعداد و شمار کے مطابق پاکستانی فوج پچاس سے زیادہ پروجیکٹس یونٹس اور ہاؤسنگ کالونیوں کی مالک ہے جو فوجی فاؤنڈیشن، شاہین فاؤنڈیشن، آرمی ویلفیئر ٹرسٹ اور ڈی ایچ اے کے ماتحت چلائے جا رہے ہیں۔ یہی وہ شے ہے جو فوج کے اقتدار میں رہنے یا حکومتی نظم و نسق کو براہ راست اور بالواسطہ اختیار رکھنے کی خواہش کو تقویت پہنچاتی ہے اور اسی وجہ سے جمہوریت کا فروغ یا آئین کی بالادستی ممکن نہیں رہتی لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فوجی سرمائے کو ریاستی نظم و نسق کے ماتحت لایا جائے اور فوج کی سیاست میں عمل دخل کی مادی بنیادوں کو کمزور کیا جائے۔

پاکستان میں عوامی مزاحمت کی مختلف اشکال

مارکس نے لکھا ہے کہ انسانیت کی تمام تاریخ طبقاتی جدوجہد کی تاریخ ہے ہر عہد میں طبقات اور آپس میں ان کی کشمکش کی اشکال بدلتی رہتی ہیں یاد رہے کہ آج کے سیاسی منظر نامے میں ''غریب عوام'' کا نعرہ ہر طرف سے لگتا ہے جبکہ مجموعی طور پر شہری مڈل کلاس کا سیاست کی زبان اور رخ کو طے کرنے میں کردار بڑھتا چلا جا رہا ہے لہذا حال اور مستقبل میں سوشلسٹ متبادل کی تعمیر اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اس طرح کی تمام حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہوئے طبقاتی اور سیاسی جدوجہد کو منظّم کریں۔

عوامی ورکرز پارٹی نے اپنے پروگرام میں اس بات کا اعلان کیا ہے کہ محنت کشوں اور محنت کار عوام کی نمائندہ جماعت ہے اور اس کا منتہائے مقصود مکمل اور عالمی سطح پر انسان کا انسان کے ہاتھوں استحصال کا خاتمہ ہے اور یہ سوشلزم کے نظام کی تعمیر سے ہی ممکن ہے۔

بنیادی سماجی تبدیلی اور سوشلسٹ نظام کے قیام و تعمیر میں اس مل کے مزدوروں، کسانوں، ہاریوں اور محنت کش طبقے کا کلیدی کردار ہے اس لیے مزدور طبقے اور محنت کش عوام کو منظّم کرنا اور پارٹی تنظیم کا حصہ بنانا ایک بہت بڑا چیلنج ہے اوپر ملکی معاشی، سیاسی صورت حال پر بحث کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ محض دو یا تین فیصد صنعتی مزدور ٹریڈ یونین میں ہیں منظّم ہیں اور وہ ٹریڈ یونینز بھی اپنے محدود دائرے میں اجتماعی سودے کاری اور اس کی معیشت کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔

ہمارے ناقص مزدور قوانین اور حکومت کی نیولبرل پالیسیوں کی وجہ سے وسیع تر مزدروں کی تعداد کو ٹھیکیداری نظام اور دوسرے حربوں سے ٹریڈ یونین سے باہر کر دیا گیا ہے اسی لیے ایک طرف تو ہمیں تنظیمی طور پر ٹریڈ یونین فیڈریشن کے تحت قوانین میں تبدیلی اور مزدوروں کو اپنی یونینز میں منظّم کرنا اور سیاسی طور پر بنیادی سماجی تبدیلی کے لیے تیار کرنا ہے دوسری طرف ایسی تمام حکمت عملیوں کو اختیار کرنا ہے کہ غیر منظّم شعبوں میں کس طرح محنت کشوں کو سیاسی جدوجہد کے لیے منظّم کیا جائے ہمیں اس صورت حال میں مزدور اور غریب بستیوں میں پارٹی کے تحت یا مزدور تنظیمی کمیٹیاں بنا کر ان کے مسائل پر منظّم کرنا ہوگا۔ دیہات میں ایک طرف غریب کسانوں،

بے زمین ہاریوں، کھیت مزدوروں کو بنیادی زرعی اصلاحات کے لیے باشعور اور منظّم کرنا اور کھیت مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے صنعتی مزدور قوانین کے طرز پر نئے قوانین کی تشکیل کی کٹھن جدوجہد کرنا ہے ہماری یکے بعد دیگرے حکومتوں نے ملٹی نیشنل کمپنیوں کو زرعی شعبے میں کھلی چھوٹ دی ہے اس کے برعکس اشتمال اراضی سے لے کر زرعی اجناس، کھاد، بیج، کرم کش ادویات مشینری کی قیمتوں پر ایک مربوط زرعی پالیسی کی ضرورت ہے یہ تمام جدوجہد ہماری طبقاتی جدوجہد کا حصہ ہے اور پارٹی کو تنظیمی سطح پر منظّم کرنے کی واضح حکمت عملی اور پالیسی مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

جہاں بے زمین یا چھوٹے کاشتکاروں کی بات ہے تو ایک ہی گھرانے کے ایک یا دو افراد کا تعلق اگر زراعت سے ہے تو ایک یا دو افراد سرکاری ملازمت، بیرون ملک مزدوری یا چھوٹے موٹے کاروبار چلاتے بھی نظر آتے ہیں اسی طرح بہت سے چھوٹے زمیندار یا تو دوسروں سے ٹھیکے پر زمین لے کر زیادہ رقبہ کاشت کرتے ہیں جس پر یا خود گھر کے افراد مزدوری کرتے ہیں یا پھر زراعت کے لیے باقاعدہ باہر کے مزدوروں کو رکھا جاتا ہے یا پھر خود اپنے رقبہ کو ٹھیکہ پر دے دیے ہیں اور غیر زرعی معاشی سرگرمیوں سے گھر کا چولہا جلاتے ہیں ایسے میں زراعت اور دیہات کی ساخت بہت تبدیل ہوئی ہے دیہات میں سب سے مظلوم اور استحصال زدہ طبقہ دیہاڑی دار مزدور ہے لیکن اس کو منظّم کرنا انتہائی مشکل ہے کیونکہ یہ اکثر سیزن کے مطابق آتا جاتا ہے جبکہ چھوٹے مالک کسان کے مفادات زرعی مزدوروں کے برعکس ہوے ہیں ہاں چھوٹے مالک کسان کہیں آڑھتی تو کہیں ملٹی نیشنل کمپنیوں کے بیج، کھاد، دوائی اور دیگر اجناس کو خریدنے پر مجبور ہیں اور یہ بھی ایک طبقاتی تضاد ہے جو کہ وقتاً فوقتاً ابھرتا ہے اس ضمن میں حکمران آج کل کارپوریٹ فارمنگ کو تقویت دیتے ہیں جس کے لیے بیرونی سرمایہ کاروں کو زمینیں دی جاتی ہیں جن پر بڑے پیمانے پر منڈی بمعہ ایکسپورٹ کے لیے کاشت ہوتی ہے اسی عمل کی اور شکل فوجی و سول افسر شاہی کو زمینیں الاٹ کرنے کی ہے ایسے میں زراعت کے شعبہ میں سرمائے کا عمل دخل بہت بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے وہ محنت کش جو کہ بے زمین ہیں اور جن کو زندہ رہنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ملتا وہ زراعت اور دیہات سے نکلتے جا رہے ہیں۔ مردوں کا دیہات سے نکلنے کا ایک بڑا نتیجہ یہ ہے کہ اس شعبہ میں عورت مزدور کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی استحصال کی شدت بھی۔ اس ضمن میں یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ شہر اور نیم شہری علاقوں کے حدود پھیلتے جا رہے ہیں اور اب بہت ساری زمینیں جو زراعت کے لیے استعمال ہوتی تھیں ان کو مالیاتی اثاثوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے اس سلسلے میں نجی ہاؤسنگ اسکیمیں سب سے نمایاں مثالیں ہیں ڈی ایچ اے اور بحریہ ٹاؤن جیسی اسکیموں کے لیے گوٹھ، دیہات اور جنگلات کو اکھاڑا جاتا ہے جبکہ انہی اسکیموں کو چلانے کے لیے پانی کے ذخائر اور توانائی پر بوجھ پہلے سے بھی زیادہ بڑھتا جا رہا ہے۔ جس کا نقصان ہمیشہ محنت کش ہی اٹھاتے ہیں رئیل اسٹیٹ کا دھندا اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ شہروں میں غریبوں کے ٹھکانے کچی آبادیوں کو بھی بے دردی سے بلڈوز کیا جاتا ہے شہروں میں عام لوگوں کے محلوں میں نہ پانی ہے نہ بجلی نہ گیس اور نہ ہی روزگار کی ضمانت ملتی ہے مگر پھر بھی دیہات سے محنت کش کروڑوں کی تعداد میں شہر کی طرف ہجرت کرتے چلے جا رہے ہیں یہاں پر وہ ''غیر رسمی'' شعبہ میں مزدوری تلاش کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کی کوشش کرتے ہیں کہیں ریڑھی لگا کر کہیں چوراہوں میں دیہاڑی کے

11

انتظار میں بیٹھ کر اور کہیں دفاتر اور کوٹھیوں میں کچی ملازمتیں کر کے گزارا چلاتے ہیں۔

پاکستان کے محنت کشوں کی بڑی تعداد روزگار کے حصول کے لیے بیرون ملک چلی جاتی ہے مشرق وسطیٰ، یورپ اور امریکہ میں تقریباً ایک کروڑ پاکستانی تارکین وطن ہیں اب تک صرف 700,000 رجسٹرڈ تارکین وطن کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے کل تارکین وطن میں سے دس لاکھ کے قریب متحدہ عرب امارات میں رہتے ہیں جو زیادہ تر مزدور ہیں۔

تارکین وطن کے تین بڑے گروپ ہیں: خلیجی ممالک، یعنی سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، بحرین اور عمان۔ ڈبلیو بی کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق 2021 میں پاکستانی تارکین وطن کی ترسیلاتِ زر 33 بلین ڈالر تک پہنچ گئیں۔

ان ممالک میں تقریباً پچاس لاکھ پاکستانی مزدوروں کو کوئی معاشی یا سیاسی حقوق حاصل نہیں ہیں اور شمالی امریکہ کے برعکس وہ ٹریڈ یونین نہیں بنا سکتے، وہ مقامی خواتین سے شادی نہیں کر سکتے، وہ یہاں جائیدادیں نہیں خرید سکتے اور وہ کاروبار بالکل نہیں کر سکتے یہ تارکین وطن صرف ایک مقامی کفیل کے رحم و کرم پر ہیں اس کے علاوہ تقریباً 6,000 لوگ چھوٹے موٹے الزامات اور کفیلوں سے اختلاف اور مقامی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر جیلوں میں بند ہیں۔

ٹھیکیدار زیادہ تر ارباب مزدوروں کی نقل و حرکت کو محدود کرنے کے لیے اجرت کی ادائیگی اکثر روک دیتے ہیں ان کارکنوں کو غلامی میں رکھنے کے لیے معمولی رقم ادا کی جاتی ہے۔

رہائشی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں انھیں بھاری جرمانے اور بعض اوقات جیل کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے بہت سے معاملات میں آج انسانی اور مزدور کے حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہیں یا کارکنوں یا ملازمین کو بندھوا مزدور کے طور پر غیر انسانی حالات میں رکھتے ہیں اور ان کے پاسپورٹ ضبط کر لیتے ہین ٹرانسپورٹ سیکٹر کے زیادہ تر ورکرز بہت بھاری جرمانے کا شکار ہیں خاص طور پر دبئ کے ٹیکسی ڈرائیوروں کو 10,000 سے 50.000 درہم تک جرمانے ہیں۔

عوامی ورکرز پارٹی محنت کش اور محنت کار عوام کی جماعت ہونے کے ناطے سمجھتی ہے کہ تارکین وطن کو پارلیمنٹ میں نمائندگی دی جائے تاکہ وہ پارلیمنٹ میں اپنے نمائندے منتخب کر سکیں AWP کم از کم اجرت کی ادائیگی کو یقینی بنانے اور تارکین وطن کارکنوں کے لیے مزدوری کے تمام معیارات پر پورا اترنے کے لیے جدوجہد جاری رکھے گی۔

بے دخلی کیخلاف جدوجہد، نئے سماجی رشتے اور مثالیں قائم کرنے کی جدوجہد

عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے نتیجے میں اب یہ بہت حد تک کہا جا سکتا ہے کہ محنت کش طبقہ کی سیاسی لڑائی بیسویں صدی سے اس حد تک ملتی جلتی ہے کہ مقصد آج بھی یہی ہے کہ تمام انسانوں کی سماج کے اجتماعی وسائل تک رسائی ہو جن پر وقت کے ساتھ اور ریاست کی ملی بھگت سے نجی سرمائے اور اشرافیہ کی قبضہ گیری کے طور طریقے پہلے سے زیادہ خوفناک ہو چکے ہیں وہ لڑائی جو ماضی میں صنعتوں اور اداروں کے اندر منظّم ٹریڈ یونین کرتی تھی یا دیہات میں بے زمین کسانوں کی تحریکوں کے تحت ہوتی تھی وہ اب

نئی اشکال اور مختلف مقامات پر لڑی جارہی ہے بنیادی طور پر محنت کشوں کی جدوجہد اس Dispossession کے خلاف ہے جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کی موجودہ ہیت کا بنیادی ستون بن چکا ہے کیونکہ روایتی صنعت سازی سے اب اس شرح سے منافع خوری نہیں ہو سکتی بمقابلہ مالیاتی اثاثوں اور معدنیات کی بندر بانٹ سے، چنانچہ آج کی طبقاتی جدوجہد زمینوں، پانی، جنگلات، معدنیات سے بھرے ہوئے پہاڑوں اور دیگر اجتماعی وسائل اور ان کو استعمال کرنے والے محنت کشوں کی دفاع کی تحریکوں کا نام ہے یعنی کہ زرعی اصلاحات جیسے پرانے مطالبات آج بھی اہم ہیں تاہم ان کے ساتھ ساتھ شہروں میں بھی زمینی اصلاحات کی بات کرنا ہوگی، زراعت میں صرف جاگیرداروں نہیں بلکہ سرکاری افسران اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بھی بات کرنا ہوگی وغیرہ وغیرہ چھت، روزگار، تعلیم اور صحت کی جدوجہد عوام کے مختلف حلقے کر رہے ہیں اور ہمارا کام ہے ان کے ساتھ جڑنا، پبلک اسپیس کو سب کے لیے بنانے کی جدوجہد بھی ہماری ہے، ہم روایتی ٹریڈ یونین کی معاشی لڑائی کے ساتھ نجکاری کو روکنے کی لڑائیاں بھی لڑتے رہیں گے لیکن صرف یہ مزاحمت کافی نہیں ہے اور نہ ہی یہ کافی ہے کہ ہم نئے نظام کو ''تمام وسائل کو ریاستی تحویل میں لینے'' کا نام دیں ہمیں سماج کے اجتماعی وسائل کو اجتماعی مفادات کے لیے استعمال کرنے کی نئی اور کامیاب مثالیں قائم کرنا ہوں گی جو کہ نہ صرف سب کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کی مثالیں ہوں بلکہ منفرد اجتماعی شعور کو بھی جنم دینے کی مثالیں نظر آئیں ایسی مثالیں جن میں محنت کش آپس میں نئے سماجی رشتے قائم کرتے ہوئے نظر آئیں شہروں اور دیہاتوں دونوں میں عوامی ورکرز پارٹی طبقاتی جدوجہد کی ان تمام کوششوں کا ساتھ دے گی اور عوام کو اس طرح منظّم کرے گی جس میں استحصال زدہ حلقے اپنے روزگار، طرز زندگی اور دیگر اصلاحات کو نہ صرف بچانے کی کوشش کریں بلکہ وسائل کو اجتماعی ضروریات اور سوشلسٹ تبدیلی اور ترقی کے نئے مثالی تعلقات بھی تعمیر کریں۔

پدرسری سماج اور طبقاتی و سماجی استحصال سے عورت کی آزادی کا سوال

آج عورتوں سے زیادہ جبر و استحصال کا شکار کوئی اور سماجی گروہ نہیں ہے کاغذ اور قانون کی حد تک صنفی امتیاز بہت حد تک کم ہوا ہے مگر زمینی حقائق کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں ویسے تو ساری دنیا میں پدرسری نظام حاوی ہے لیکن پاکستانی عورتوں اور خواجہ سراؤں کے لیے زیادہ ہی خطرناک ملک ہے آئے روز زبردستی تشدد اور اموات کے واقعات کے بارے میں خبریں سننے کو ملتی ہیں وراثت اور شہادت میں عورت کی حیثیت مرد کی آدھی ہے محنت مزدوری کرنے والی عورتیں مردوں کے مقابلے میں کماتی بھی کم ہیں اور بدترین حالات میں کام کرتی ہیں جبکہ سماج کا ثقافتی ڈھانچہ مکمل طور پر مرد کی بالادستی پر مشتمل ہے اور اس ضمن میں عورت نہ اپنی مرضی سے پیار و شادی کر سکتی ہے اور نہ سڑک پر خاموشی سے بغیر سیٹیاں اور طعنے سنے چل سکتی ہے۔

عورتوں کی برابر حقوق کے حصول اور ترقی کی تحریک کا ایک حصہ قانون سازی برابر مواقع سماجی رسوم و رواج شخصی اور انفرادی آزادی اور تشدد سے بچاؤ کی وکالت کرتا ہے وہ یہ سمجھتی ہیں کہ عورت کی ماتحت حیثیت کا تعلق سماجی روایت، رواج اور قانون سے ہے یہ سرمایہ داری نظام اور مجموعی طور پر طبقاتی و پدرسری نظام کو عورت کی غلامی یا پسماندگی کا سبب نہیں سمجھتا نہ ہی اس کے خلاف جدوجہد کرتا ہے تحریک کے اس حصے کو لبرل فیمنزم کہتے ہیں مگر خواتین کی تحریک کا دوسرا حصہ جو سوشلسٹ تحریک پر مبنی ہے یہ ایک ہمہ گیر مارکسی نظریہ ہے جو طبقاتی

سماج سرمائے اور پدرشاہی نظام کے درمیان مضبوط گٹھ جوڑ کو عورت پر جبر و استحصال کی بنیاد مانتا ہے جس نظام کے تحت خواتین اور محنت کش طبقے کے مرد کو بھی شکایتیں ہیں یہ ان تمام معاشی و سماجی ڈھانچوں میں بنیادی تبدیلی کا حامی ہے جس کے بغیر عورت اس دہرے اور تہرے استحصال سے آزاد نہیں ہوسکتی اس تحریک کے مد نظر بنیادی سماجی تبدیلی اور سوشلزم کی تعمیر میں عورتوں کا کردار بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مردوں کا اور دونوں کی متحدہ جدوجہد کے بغیر نہ سوشلزم قائم ہوسکتا ہے اور نہ ہی عورت آزاد ہوسکتی ہے عوامی ورکرز پارٹی اس تحریک کی داعی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ سرمایہ داری نظام کے اندر رہتے ہوئے عورت کا گھر سے باہر کردار بڑھتا چلا گیا ہے آج پاکستان کی لیبر فورس میں عورتوں کی شمولیت تیزی سے بڑھ رہی ہے عورتیں زراعت سے لے کر خدمات کے شعبے میں مردوں سے زیادہ تعداد میں نظر آ رہی ہیں تعلیمی اداروں میں عورتیں زیادہ نمایاں ہو رہی ہیں اور مجموعی طور پر ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور دیگر ذرائع کی وجہ سے عورتیں سیاسی فیلڈ پر بھی بہت اثر انداز ہو رہی ہیں یقیناً اس بڑھتے ہوئے رول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صنفی برابری قائم ہوچکی ہے بلکہ جہاں عورتیں لیبر فورس میں داخل ہو رہی ہیں وہاں Feminisation of poverty کی بات ہوسکتی ہے یاد رہے کہ بیشتر کام کرنے والی عورتوں کو باضابطہ لیبر فورس کا حصہ بھی نہیں سمجھا جاتا مثال کے طور پر اشرافیہ کی کوٹھیوں میں کام کرنے والی عورتیں چنانچہ ان کے ساتھ ہر طرح کا سلوک ہوتا ہے کبھی تنخواہ نہیں ملتی تو کبھی ان کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے شاید اس سے بھی بری صورت حال کا سامنا عورتوں کو اپنے گھروں میں کرنا پڑتا ہے جہاں پر ان کے ہاتھوں سے کیے جانے والے گھریلو کام کو ''پیداواری'' کام تصور تک نہیں کیا جاتا اس کی سب سے واضح مثال بچوں کو پیدا کرنے اور پالنے کی ہے آخر کار ہر انسان جو کہ گھر سے باہر جا کر پیداواری کام کرتا ہے اس کو ایک وقت میں ماں نے ہی پالا اگر عورت پرورش کا یہ سارا کام نہ کرے تو معاشی سرگرمی کا مین اسٹریم تصور قائم ہی نہیں رہ سکتا۔

عورتوں کو بنیادی طور پر ایک کمتر انسان کے طور پر دیکھا اور اسی حساب سے سلوک کیا جاتا ہے اور مجموعی طور پر ان کو زیردست رکھا جاتا ہے لیکن یہ سب کچھ اب بہت سی سطحوں پر چیلنج ہو رہا ہے لڑکیاں والدین سے لڑ کر اسکول پڑھنے جاتی ہیں، اور پھر بعد میں روزگار کی تلاش میں بھی نکلتی ہیں وہ اپنی مرضی کی شادیوں کے لیے لڑائی لڑتی ہیں اور ہر طرح کی ہراسگی کا بہادری سے سامنا کرتی ہیں۔ عوامی ورکرز پارٹی ان تمام کوششوں کو عورت کی آزادی کی طویل لڑائی کا حصہ سمجھتی ہے اور ہم خاص طور پر ان نوجوان عورتوں کو اپنی سیاست کا بنیادی ستون سمجھتے ہیں جو کہ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے گھروں کے اندر بند رہ کر بھی ترقی پسند تحریکوں کے ساتھ جڑے رہنے کی کوشش کر رہی ہیں ہم جہاں پاکستان کی نوجوان نسل کو مجموعی طور پر اپنی سیاست کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں تو ہم خاص توجہ نوجوان لڑکیوں اور عورتوں پر دیں گے جو کہ فرسودہ رسوم و روایات کے ساتھ ساتھ سرمائے کے تسلط اور رجعتی قوتوں کے سامنے بند باندھ کر کھڑی ہوتی جا رہی ہیں اگر تعلیم، روزگار، صحت، تفریح اور دیگر بنیادی ضروریات محنت کشوں کے لیے حاصل کرنا ہمارا اولین مقصد ہے تو پدرسری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اسی جدوجہد کا دوسرا رخ ہے۔ یاد رہے کہ مرد بھی نفسیاتی طور پر پدرسری نظام میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان کو بھی مکمل طور پر آزادی اسی صورت میں ملے گی کہ عورت آزاد ہو۔

قومی سوال اور قوموں کی برابر حقوق کے لیے جدوجہد

ویسے تو جدید دور کی تمام ریاستیں ایک مخصوص تاریخی بیانیے کے زور پر عوام کے وسیع تر حلقے کو ایک قوم کا حصہ ہونے کی تربیت کرتی چلی آ رہی ہیں مگر ریاست پاکستان میں ریاستی قوم پرستی ظلم و جبر کی لمبی داستان ہے ہمارے ہاں حکمرانوں اور خاص طور پر فوجی اسٹیبلشمنٹ نے شروع دن سے پاکستان کی کثیر الاقوامی حیثیت سے انکار کیا ہے جس کے نتیجے میں ان گنت تضادات حتیٰ کہ تصادم کی صورت حال کو بار بار جنم دیا چنانچہ ملک کے قیام کی سات دہائیوں کے بعد بھی ''ہم کون ہیں؟'' کا جواب نہیں مل پایا ایک طرف یہ تصور ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہماری واحد زبان اردو ہے تو دوسری طرف پشتون، بلوچ، سندھی، پنجابی، سرائیکی، کشمیری، گلگتی، بلتی، مہاجر وغیرہ ہونے کا احساس شدت سے پایا جاتا ہے اور اس ضمن میں ریاست کی مرکزیت پسند پالیسیوں کے خلاف بے شمار ابھار بھی دیکھنے کو ملے ہیں۔

بہر حال بلوچوں، پشتونوں اور سندھیوں کی قومی تحریکیں زیادہ نمایاں رہیں اور مشرف آمریت کے بعد تو سیاسی کارکنان، شعراء اور ادیبوں اور دیگر رائے عامہ ترتیب دینے والے افراد کے سرکار کے ہاتھ اغوکاریوں نے قومی تضاد کو زیادہ ہی سنگین بنا دیا ہے یاد رہے کہ پاکستان کی تاریخ میں یہ تضاد محض شناخت زبان وغیرہ کی حد تک نہیں بلکہ اقتدار میں شراکت اور وسائل کی تقسیم کا بھی رہا ہے مشرقی پاکستان کی آخر کار علیحدگی کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ اسٹیبلشمنٹ اور مغربی پاکستان کی مرکزیت پسند سیاسی جماعتوں نے مشرقی بنگال کی سیاسی قوتوں کو اقتدار میں حصہ نہ دیا اور نہ ہی وسائل کو منصفانہ طریقہ سے ان کے ساتھ شیئر کیا۔

عوامی ورکرز پارٹی کا یقین ہے کہ پاکستان کی تمام قومیں ایک ساتھ بہتر طریقے سے اور رضا کارانہ طور پر وفاقی نظام چلاسکتی ہیں اور یہ اس وقت ممکن ہوسکتا ہے کہ تمام اکائیوں میں قبائلی اور جاگیرداری باقیات اور سرمایہ دارانہ حکمران طبقات کا خاتمہ ہو اور اس کے لیے تمام قومی اکائیوں کے محنت کش اور محنت کار عوام قومی سوال کو طبقاتی جدوجہد کا حصہ بنالیں تاہم یہ صرف الفاظ کا کھیل نہیں ہے اور نہ ہی محکوم قوموں اور خطوں کو ''ترقی'' کے نام پر خریدنے سے ہوگا یہ طے کرنا ہوگا کہ پاکستان ایک رضا کارانہ وفاق ہے جس میں آبادی اور طاقت کے زور پر نہیں بلکہ برابری اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاست کی ترجیحات طے کی جائیں۔

افغانستان سے امریکی افواج کے انخلا کے بعد پشتون اور بلوچ قومی سوال میں پھر سے شدت کا امکان ہے اور اس ضمن میں عالمی اور علاقائی ممالک کے درمیان ''گریٹ گیم'' کے پیش نظر پاکستان کے اندر قومی تحریکوں کی نئی صف بندیوں کا بھی امکان ہے اس تناظر میں لازم ہے کہ عوامی ورکرز پارٹی نہ صرف قوموں کے حق خود ارادیت بلکہ غیر جانبدارانہ خارجہ پالیسی اور سامراج مخالفت کے اصولوں کے تحت قومی تحریکوں کے ان حصوں کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط بنائے جو کہ ترقی پسند سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔

پاکستانی ریاست کے ادارے اور قوانین کا نوآبادیاتی پس منظر بھی زیر بحث لانا پڑے گا دراصل پاکستان میں انگریز راج کی تاریخ اور جدید نوآبادیاتی ریاست کی ہیئت کو بھی تاریخ کے صفحوں سے مٹایا گیا ہے سرکاری کتابوں میں ہماری قومی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا گیا ہے کہ ریاست کو جوابدہ ہونے سے بچایا جائے چنانچہ یہ مقنّنہ، پولیس، عدلیہ اور دیگر ریاستی ادارے نہ صرف تمام محنت کشوں کے لیے جبر کی مشین اور عذاب کا باعث

ہیں بلکہ محکوم و پسماندہ قوموں کے عوام کے ساتھ ریاست کا رویہ زیادہ خوفناک رہا ہے لہذا پنجاب کے محنت کشوں اور پسماندہ قوموں کی جدوجہد کو جوڑنا ہمارا فرض ہے اور اسی بنیاد پر حقیقی سوشلسٹ وفاق کا قیام عوامی ورکرز پارٹی کی سیاسی حکمت عملی کا بہت اہم ستون ہے۔

سیکولرازم: ریاست کی مذہب سے علیحدگی کی جدوجہد

پاکستان میں جس طرح مذہب کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا شاید ہی کسی ملک میں ہوا ہوگا اسٹیبلشمنٹ نے یہ سب کچھ ملک کے اندر اور باہر اپنے مفادات کے حصول کی خاطر کیا لیکن اس کی قیمت عوام ہی نے ادا کی مذہب کا سیاسی استعمال ''وسیع تر قومی مفاد'' کے نام پر ہوا مگر مفاد ان کا ہی تھا اور ہے جو کہ ہتھیار بیچتے ہیں نفرت کی ترویج کرتے ہیں اور ثقافت کو ایک خاص رنگ میں ڈھالتے ہیں جس سے عورتوں، مسیحوں، ہندوؤں اور دیگر افراد کو بدترین ظلم و جبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے نہ صرف مظلوم عوام کے خلاف ایسا ہوا بلکہ مذہب کو شاید سب سے زیادہ استعمال ترقی پسند حلقوں کے خلاف کیا گیا ہے جو کہ حکمرانی کے فرسودہ اور عوام دشمن نظام کو بے نقاب کر کے حقیقی عوام دوستی کی جدوجہد کرتے آرہے ہیں جہاں ہمارے جیسوں پر غداری کا الزام لگایا گیا وہاں اس سے بھی زیادہ خطرناک اسلام دشمن ہونے کا لیبل بھی لگتا رہا یہ سب کچھ ریاست کے قیام کے شروع سے ہوتا رہا مگر ضیا آمریت کے دوران معاملات زیادہ ہی سنگین ہو گئے کفر کے خلاف مسلح جہاد کرنے کی باقاعدہ پالیسی 1980 کی دہائی میں عروج پر پہنچی اور ایک پوری نوجوان نسل کو تنگ نظر بنا دیا گیا ویسے تو اس پالیسی کا مقصد افغانستان اور ہندوستان میں مخصوص مفادات کا حاصل کرنا تھا مگر اس کا بیرونی دنیا سے زیادہ اثر پاکستان کے سماج پر پڑا۔

آج پاکستان میں نوجوانوں میں بہت زیادہ گھٹن ہے مثال خان جیسے طالب علم کا اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھ قتل اس کا صرف ایک ثبوت ہے عورتوں کو جس طرح عزت اور غیرت کی علامت بنایا اور پھر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے یہ بھی اس گھٹن کی ایک مثال ہے پھر ہماری تاریخ اور قومی ہیروز بھی ایک خاص طرح کی جنگ پرستی کے گرد ترتیب دیے گئے ہیں ویسے تو 11/9 کے بعد دہشت گردی کے حوالے سے ایک نیا بیانیہ سامنے آیا ہے مگر مجموعی طور پر سماج کے اندر تنگ نظری کی فیکٹریاں اسی طرح قائم ہیں جیسا کہ اس سے پہلے تھیں تعلیمی نصاب اور میڈیا کے تحت نفرت کی ترویج ہوتی ہے تو کئی سیاسی حلقے بھی مذہب کو ہتھیار بنائے ہوئے اپنے آپ کو محبِّ وطن ثابت کرتے ہیں ہمیں سامراج یا دنیا کے دباؤ کے تحت نہیں بلکہ اپنے سماج میں امن اور رواداری کو فروغ دینے کے لیے مذہب کے سیاسی استعمال کی ٹھوس حکمت عملی کے تحت روک تھام کرنا ہوگی ورگرنہ نفرت کی آگ ہمیں لے ڈوبے گی اور خاص طور پر ہماری نوجوان نسل کی اکثریت کو بند گلی کی طرف دھکیلا جائے گا کیونکہ ان کی ذات اور مستقبل کی خواہشات نہ پوری ہونے پر انتہا پسندی کے جال میں مزید جکڑنے کا بہت زیادہ خطرہ ہے افسوس کہ آج اسٹیبلشمنٹ نے تاریخ سے سبق نہیں سیکھا اور جہاں پہلے ایک فرقہ کو سیاسی مقصد کے لیے آگے کیا جاتا تھا آج بظاہر امن پسند قوتوں کو بھی مسلح کیا جارہا ہے ایسے میں نہ صرف تنگ نظری سماج میں پھیل رہی ہے بلکہ خطرناک ترین فرقہ وارانہ تضاد کو بھی جنم دیا جارہا ہے جس انداز میں اب ایک نعرے کی بنیاد پر کسی بھی معصوم انسان پر اسلام دشمنی کا فتویٰ لگ سکتا ہے یہ سلسلہ ماضی کے مقابلے میں زیادہ ہی سنگین ہو گیا عوامی ورکرز پارٹی بہت کھل کر سمجھتی ہے کہ مذہب ایک ذاتی معاملہ ہے اور ہر پاکستانی شہری کی مذہبی آزادی کی ضمانت دینا

ریاست کی ذمہ داری ہے ہر مسجد، مندر، گرجا اور دیگر عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرنا کسی بھی فرد کو زبردستی مذہب مسلط کرنے پر پابندی مسلح افراد کی روک تھام کرنا یہ سب کچھ ریاست کی ذمے داری ہے۔ پاکستانی ہونے کا مطلب یہ قطعی طور پر نہیں ہے کہ ہم سب ایک ہی عقیدے کو مانتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مختلف ہوتے ہوئے سب کی مذہبی آزادی ملک کے اندر اور باہر احترام کرتے ہیں یہی تمام مذاہب کی تربیت ہے اور نوجوان نسل کو اصلاح شدہ نصاب اور ذمہ دار میڈیا کے ذریعے تربیت دینے کی عوامی ورکرز پارٹی حامی ہے پی ٹی آئی کی ہائبرڈ حکومت کا حال ہی میں متعارف کرایا گیا سنگل قومی نصاب مذہبی قومی اور دیگر تضادات میں شدت کا باعث بنے گا ایس این سی کے ذریعے وفاقی حکومت نے صوبوں کے آئینی دائرہ کار سے تجاوز کیا ہے اٹھارویں آئینی ترمیم کے ذریعے نصاب سازی کا اختیار صوبوں کو منتقل کر دیا گیا تھا ''ایک قوم ایک نصاب'' کا نعرہ نسلی قومی شناختوں کو مسترد کرنے اور کسی ملک پر یک سنگی نظریہ اور شناخت مسلط کرنے کی کوشش ہے اور مختلف قومیتوں اور نسلی گروہوں کے درمیان مزید تفرقہ پیدا کر سکتا ہے مذہبی مواد اور حفظ پر بہت زیادہ زور معاشرے میں فرقہ وارانہ تقسیم، نفرت اور انتہا پسندی کو مزید وسیع کر سکتا ہے یہ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے مخصوص حق کے تحفظ کے آئین کے آرٹیکل (1)22 کے تحت بنیادی حقوق کی بھی خلاف ورزی ہے اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی نصابی کتاب میں کوئی سبق جو تمام مذاہب کے طلبہ کے لیے لازمی ہو کسی بھی مذہب کے لیے مخصوص مواد پر مشتمل نہیں ہو سکتا ہم سیکولر بنیادوں پر یکساں تعلیمی نظام تشکیل دینے کے حامی ہیں بصورت دیگر پاکستان اور ہمارے اردگرد نہ کبھی امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہم معاشرتی ترقی کی منزل پا سکتے ہیں۔

سیکولرازم کا مطلب ہے کسی بھی معاشرے میں معاشی، سماجی و سیاسی ترقی دنیاویت پسندی کی بنیاد پر ہوتی ہے نہ کہ مذہب کی بنیاد پر، مذہب تو کسی بھی ملک میں بسنے والے عوام کے مختلف عقائد کا نام ہے اور ریاست کا فرض ہے کہ نہ صرف ہر عقیدے اور مذہب کا احترام کرے بلکہ برابر تحفظ فراہم کرے۔

ماحول اور انسان کے درمیان توازن، دنیا اور انسانیت کی بقا کی جدوجہد

آج اگر دنیا بھر کے انسان دوست اور ترقی پسند حلقوں میں ایک نکتہ پر اتفاق ہے تو وہ یہ ہے کہ دنیا کی بقا کے لیے بہت جلد اور منظّم انداز میں عالمی سطح پر ایکشن لینا ناگزیر ہے یہ نہ صرف انسان کی آنے والی نسلیں بلکہ مجموعی طور پر ہمارے سیارے پر زندگی کی بقا کا سوال ہے ساری انسانی تہذیب کے تصور پر اب نظر ثانی کی جارہی ہے صنعتی سرمایہ دارانہ دور کے بیشتر حصے کے لیے یہ تصور عام تھا کہ انسان نے قدرت پر اپنے نظام کو حاوی کر دیا ہے اور وہ اس طاقت کے بل پر کچھ بھی کر سکتا ہے مگر اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ اگر دنیا کا وجود ہی نہ رہے تو انسان بھی نہیں رہے گا چاہے Virtual reality کے شوقین جو بھی کہیں۔ ''کلائمیٹ ایکشن'' کے گرد بہت سی نئی سیاسی کوششیں ہو رہی ہیں اور ان کوششوں میں نوجوانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے کیونکہ آخر کار انسان اور قدرت کے درمیان توازن کو ایک بار پھر قائم کرنے کا بوجھ محنت کشوں اور نوجوانوں کی تحریکوں پر ہی آئے گا یاد رہے کہ یہ سارا معاملہ ''ترقی'' کے تصور کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ایک طرف ہم ایک ایسے سوشلسٹ نظام کے قیام کی بات کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں جس کے تحت تمام انسانوں کی بنیادی مادی ضروریات پوری ہو سکیں خوراک، کپڑا، گرم موسم میں بجلی سرد موسم میں گیس کے ہیٹر پھر اس کے بعد تفریح کے

مواقع مرد اور عورت کے درمیان برابری تمام قوموں کی حقیقی آزادی وغیرہ لیکن دوسری طرف ہمیں اب اس بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا کے اندر موجود قدرتی وسائل کافی نہیں ہیں کہ ہر انسان کا معیار زندگی ایسا ہو جیسا کہ ترقی یافتہ ممالک میں عام گھرانے کا ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم روڈ عمارتیں گیس اور بجلی کی سپلائی اسی طرح بڑھاتے چلے جائیں جیسا کہ اب تک ہوتا آیا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ سب کو بھوکا ''ننگا'' ٹھنڈ میں کانپنے اور گرمی میں خوار ہونے کے سوا کوئی حل نہیں ہے بلکہ ہمیں اس بات کو دیکھنا ہوگا کہ روزمرہ کی زندگی میں سرمایہ کی منافع خوری کے تحت ''ترقی'' کون سی ہے اور حقیقی انسانی ضرورت والی ترقی کے تقاضے کیا ہیں۔ پلاسٹک کا استعمال اس کی بہترین مثال ہے ہم سب بے پناہ پلاسٹک استعمال کرتے ہیں اور پلاسٹک بنانے والی کمپنیاں کبھی نہیں چاہیں گی کہ ہم پلاسٹک استعمال کرنا چھوڑ دیں مگر پلاسٹک کے بغیر بھی ہماری ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں سارے شعبوں میں نہ سہی لیکن بہت سے انسانی زندگی کے شعبوں میں تیل گیس اور دیگر وسائل کا معاملہ بھی ایسا ہی کیا ہم سورج یا ہوا سے توانائی پیدا نہیں کرسکتے جس سے ہمارا تیل اور گیس پر انحصار ختم ہوسکتا ہے۔

ترقی کا مطلب بے بہا Consumption نہیں ہے اس کا مطلب ایک صحت مند سماج جس میں انسانوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں اور ساتھ ہی قدرت کے نظام کو تحفظ فراہم کیا جائے جس سے ہم سب نے جنم لیا ہے اور سرمایہ داری نظام کے اندر ہماری بہت سی ضروریات بنائی جاتی ہیں جو کہ محض بیگانگی ایک دوسرے کے ساتھ مقابلے اور نفسیاتی مسائل کی طرف ہمیں دھکیلتی ہیں ایسی ترقی پدرسری کو تقویت دیتی ہے اور ماحولیاتی تباہی کا باعث بنتی ہے اس دور میں باشعور عوام دوست سیاست کا مطلب یہی ہے کہ ہم ایک نئے معاشی نظام کے ساتھ نیا انسان بنانے کی طرف جائیں اور یہی وہ طویل عمل ہے جس سے ہم آنے والی نسلوں کو اس دنیا میں ترقی کرنے کی ضمانت دے سکتے ہیں۔

جدید ٹیکنالوجی کے دور میں انقلابی سیاست

بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے دوران مائیکرو الیکٹرک کی دریافت نے تاریخ کے پورے دھارے کو بدل کر رکھ دیا۔ جدید سائنسی اور تکنیکی انقلاب کی بدولت بڑی بڑی صنعتوں میں خودکار مشینوں کا استعمال ہونے لگا تین مرحلے کے مشینی آپریٹس میں ایک اور مرحلے کا اضافہ ہوگیا جو Regulatory and feed back sywtem کہلاتا ہے اس کے پیداوار میں آنے سے روایتی ہنرمند مزدوروں کی جگہ مشینوں نے حاصل کرلی ہے نئے قسم کے ہنرمند مزدوروں کی ضرورت محسوس ہونے لگی جن کا کام اب زیادہ تر مشینوں کی مرمت اور دیکھ بھال کرنا رہ گیا چنانچہ مشینوں پر کام کرنے والے مزدوروں کے بجائے اب انجینئرز اور میکنکوں کی مانگ بڑھنے لگی مثلاً فرانس کے کارساز ادارے رینالٹ میں خودکاری سے پہلے مشینوں پر کام کرنے والے مزدوروں کا تناسب 8% تھا لیکن خودکاریت آجانے سے یہ تناسب 2% ہوگیا امریکہ کی جدید ترین آئل ریفائنری میں یہ تناسب %! ہوگیا اس کے بعد تو تکنیک میں مسلسل اضافے کے باعث بہت سی صنعتوں میں روبوٹ اور کمپیوٹر استعمال ہونے لگے ہیں اور پوری کی پوری اسمبلی لائنیں خودکار ہونے لگیں جنھیں روبوٹ چلاتے ہیں یہاں تک کہ دفتری کاموں اور بڑے بڑے شاپنگ سینٹر میں کمپیوٹر روبوٹ اور دیگر خودکار مشینری کا

استعمال عام ہونے لگا ہے اور دفتری لوگ اور سیلز مین تھوک کے حساب سے فارغ ہونے لگے ہیں مثال کے طور پر امریکہ میں صرف ایک سال کے دوران ساڑھے تین لاکھ دفتری لوگوں کو فارغ کیا گیا اور گزشتہ پانچ سالوں میں یہ تعداد چالیس لاکھ تک پہنچ چکی ہے خدمات کے شعبے بھی خودکاریت کی دستبرد سے باہر نہ رہ سکے ملٹی نیشنل اداروں کے فروغ میں بہت سے انفرادی پیشوں میں کام کرنے والے صاحب جائیداد لوگوں کو نادار بنا کر اجرتی مزدور بنا ڈالا ہے تاہم سائنس دانوں ریسرچ اسکالر تخلیق کاروں موجدوں اور اعلیٰ درجے کے انجینئرز کو جن کی ہنرمند صلاحیتوں کی تعمیر پر زیادہ خرچ آتا ہے ملٹی نیشنل اداروں نے بڑی بڑی تنخواہیں دے کر اپنے قریب کرلیا ہے اور انہیں عام محنت کشوں سے علیحدہ کردیا ہے خام مال کے مقابلے میں سائنس کی ترقی نے مصنوعی ذرائع لا کھڑے کیے ہیں جن کے امکانات لامحدود ہیں۔

''معلوماتی انقلاب'' سے بہرحال سماجی رشتے بہت بنیادی طور پر تبدیل ہو رہے ہیں۔ آج اربوں انسان Internet of things کے ذریعہ وقت اور جگہ سے بالاتر ہوکر ایک ایسے دائرے میں جڑ چکے ہیں جس کا چند دہائیوں پہلے تصور نہیں کیا جاسکتا تھا اعداد و شمار کے مطابق 2003 سے لے کر 2016 تک انٹرنیٹ پر جتنا مواد پیدا ہوا اس سے قبل ساری انسانی تاریخ میں نہیں ہوا تھا تاہم یہی ''معلوماتی انقلاب'' اور ڈیجٹیل ٹیکنالوجی ہیں جو کہ مالیاتی سرمائے کے پھیلاؤ میں بہت بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں کیونکہ سرمایہ اب ایک بٹن کے دبانے سے دنیا بھر میں گردش کرسکتا ہے اس ٹیکنالوجی سے دنیا بھر کے فوجی اسٹیبلشمنٹ بھی مستفید ہوئے ہیں مثال کے طور پر انسانی پائلٹ کے بغیر اڑنے والے جہاز ڈرونز کے ذریعہ اب دور دراز خطے میں گرایا جاسکتا ہے اور آنے والی دہائیوں میں یہ عین ممکن ہے کہ جہاں جنگ لڑنے کے لیے سپاہی درکار ہیں وہاں انسان کے بجائے روبوٹ کو بھیجا جائے گا دوسری طرف ایسے مفکرین ہیں جن کا کہنا ہے کہ یہی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی ہے جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کے زوال کا باعث ہوگا کیونکہ اس پر معلومات مفت تقسیم ہوتی ہیں لہذا Commodity production کا نظام وقت کے ساتھ کمزور پڑ جائے گا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سائنس کی ترقی کے نتیجے میں صحت اور دیگر شعبوں میں انسان کی ایسی حاصلات ہوں گی جس کا کبھی سوچا نہیں جاسکتا تھا ان مفکرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ انٹرنیٹ ایک ایسی جمہوریت Virtual Space ہے جس کو حکمران طبقہ کنٹرول نہیں کرسکتا۔

تاہم گزشتہ چند سالوں سے واضح ہوگیا ہے کہ Big Tech کی بین الاقوامی کمپنیاں فیس بک، گوگل، ایمازون وغیرہ اور ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے والی ریاست خاص طور پر فوجی اسٹیبلشمنٹ معلومات کی اس یلغار میں نہ صرف انٹرنیٹ پر ذہن سازی کی بے مثال صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ عام شہریوں پر نظر رکھنے (Surveillance) کی ایک ایسی جال بچھاتے جا رہے ہیں جس کو تاریخ میں طاقت ور ترین حکمران تصور بھی نہیں کرسکتے تھے ساتھ میں اب ''اسمارٹ'' ٹیکنالوجی عام ہوتی جا رہی ہے جس کے ذریعے اشیاء کی خرید و فروخت کا سلسلہ بہت زیادہ تیز ہوگیا ہے۔ انٹرنیٹ استعمال کرنے والے ہر شخص کے شوق اور پسند کو مشین پہچان لیتی ہے اور اسی حساب سے اشتہارات اس شخص کو گرفت میں لے ڈوبتے ہیں۔ جہاں تک صحت او دیگر شعبوں میں حاصلات کا سوال ہے تو یہ بالکل واضح نہیں ہے کہ Genetic engineering اور دیگر ایسے معاملات کو انسانیت کے لیے پیش رفت کہا جاسکتا ہے یا انسانیت کے خاتمے کی طرف پہلا قدم۔

اس ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا اثر اب سیاست کے میدان میں بھی واضح نظر آنا شروع ہو گیا ہے سیاسی بیانات اور بحث اب سوشل میڈیا ورکس پر بہت حد تک منتقل ہو گئے ہیں ٹوئٹر اور فیس بک جیسی سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر ہر طرح کی سیاست کرنے والی پارٹیاں تنظیمیں اور افراد اپنا مواد شیئر کرتے ہیں مثال کے طور پر امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ پریس کانفرنس کے بجائے ٹویٹر کے ذریعے بیان جاری کرتا ہے اسی طرح کی مثال ترقی پسند تحریکوں کی ہے جیسا کہ پاکستان میں مقبول عام ہونے والی پشتون تحفظ موومنٹ جس کے پھیلاؤ میں سوشل میڈیا کا سب سے اہم کردار رہا ہے تحریک انصاف کی اٹھان بھی سوشل میڈیا کو استعمال کرنے والے نوجوانوں کا بہت بڑا کردار رہا ہے عالمی سطح پر بھی ترقی پسند اور رجعتی تحریکیں اور سیاست دونوں میں سوشل میڈیا کا رول نمایاں نظر آتا ہے بمعہ عرب سپرنگ، آکو پائی وال اسٹریٹ برطانیہ میں مومنٹین اور ڈونلڈ ٹرمپ کے بعد برازیل میں جیئر بالسنارہ کا انتخاب۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا ملکی اور بین اقوامی اثر بہت زیادہ بڑھ چکا ہے اور مستقبل میں سیاست کا میدان اور بھی زیادہ بدلے گا ایسے میں بیسویں صدی کی بائیں بازو کی سیاست کرنے والی پارٹیوں اور حلقوں کے لیے نئے حالات کو سمجھنا اور اپنے آپ کو Revelant رکھنا بہت بڑا چیلنج ہے یاد رہے کہ سیاست کے زبان وطریقہ کار میں نئے پن کی بنیاد سماج کی تیزی سے بدلتی ہوئی طبقاتی ساخت اور عالمی سرمایہ دارانہ نظام میں تبدیلیاں ہیں اس میں اب کوئی شک نہیں رہا کہ مستقبل کے سماج میں مشین کا کردار ایسا ہو گا جس کا ماضی میں تصور نہیں کیا جا سکتا تھا انسان نے ہمیشہ ٹیکنالوجی کو اپنے حالات بہتر بنانے کے لیے ایجاد کیا لیکن آج ٹیکنالوجی کا سوال پہلے سے زیادہ مشکل ہو چکا ہے کیونکہ اب انسان کے دماغ سے بالاتر Artificia intelligence نامی چیز سامنے آچکی ہے یقیناً ٹیکنالوجی اور مشین کی ترقی کے خوفناک ترین امکانات کا تعلق سرمایہ داری نظام کے ساتھ نتھی ہے لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ اس نظام سے تجاوز کرنے میں ہی ٹیکنالوجی کا ایک ایسا رول متعین ہو سکتا ہے جو کہ متوازن ہو گا اور حقیقی معنوں میں عوام اور ماحول دوست ترقی کو یقینی بنائے گا اس ضمن میں ٹیکنالوجی کے وہ استعمال جن سے طبقاتی قومی صنفی اور سامراجی مفادات کو آگے بڑھایا جاتا ہے کو سیاسی منظرنامے پر لانا ہمارے اولین مقاصد میں شامل کرنا ضروری ہے ورنہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے نعرے کے بل پر انسان مزید غلامی کی طرف دھکیلا جائے گا جیسا کہ آج کی Big Tech کمپنیوں کا ریاست کے ساتھ گٹھ جوڑ میں کردار نظر آتا ہے۔

ٹیکنالوجی اور آٹومشین ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں مختلف اشکال رکھتے ہیں اور یہ بھی اہم ہے کہ خود کار ٹیکنالوجی کمپیوٹرائزڈ روبوٹ اور مشین کوئی حرف آخر نہیں کیونکہ روبوٹ کے ڈیزائن اور مینٹی ننس میں بھی انسانی محنت درکار ہوتی ہے اس کے علاوہ اگر تمام مزدور فارغ کر دیئے جائیں اور ان کی قوت خرید نہ ہو تو کنزیومر کی غیر موجودگی میں مارکیٹ کا تصور بے کار ہے۔

جمہوریت، اظہار رائے کا حق اور دیگر تمام سول آزادیاں جن کے لیے جدید دور میں ہر انقلابی جدوجہد کرتا رہا ہے آج ان آزادیوں کو مرکزی اہمیت کا حامل تصور کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ ذرائع ابلاغ کے تحت جس انداز میں سرمایہ دارانہ ترقی اور اس کے تحفظ کے نام پر ریاست کے مسلح اداروں کے پاس اختیارات مرتکز

ہو رہے ہیں اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی شاید یہی دور حاضر میں انقلابی سیاست کا سب سے پہلا ستون ہے کہ ہم ایک باشعور انسان ہونے کا ثبوت دیں اور تمام انسانی آزادیوں کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا دفاع کریں ان کے ساتھ جڑنے کی کوشش کریں اور انفرادی اور اجتماعی آزادی کی خاطر جدوجہد کو منظّم کریں ترقی پسند حلقے جو کہ گزشتہ عرصے میں ایک دوسرے کے ساتھ ہر بڑے چھوٹے سیاسی سوال پر الجھتے رہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ کم از کم ایجنڈے پر اتفاق پیدا کریں اور سوشل میڈیا کے وہ ذرائع استعمال کریں جو ہمیں جوڑنے میں مدد دے سکتے ہیں یہ وہ پہلا قدم ہو گا جو کہ عوامی ورکرز پارٹی اور اس کی تمام تر اتحادی قوتوں کو اکیسویں صدی کی انقلابی سیاست کو ترتیب دینے اور ایک نئے سماج کو قائم کرنے میں آگے کا راستہ فراہم کرتا ہے۔

نوجوان اور طلبا کی جدوجہد، مستقبل انہی کا ہے!

پاکستان سمیت دنیا بھر میں بائیں بازو کو اپنے تاریخی نظریات ایک ایسے روپ میں ڈھال کر عوام کے سامنے لانے پڑیں گے جو کہ اس عہد کے تقاضوں کے مطابق ہو یاد رہے کہ پاکستان میں آج 22 کروڑ کی آبادی کا 65 فیصد حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے یہی نوجوان ہیں جو کہ رجعتی نظریات سے متاثر ہوتے ہیں اگر ہم اس دور کے تقاضے پورے کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو یہی نوجوان محنت کش اور محنت کار عوام کے ساتھ مل کر سوشلسٹ سیاست کو مربوط کر سکتے ہیں۔

بیسویں صدی کی ترقی پسند تحریکوں میں طلبہ نوجوانوں نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا آج دنیا بھر میں نوجوان و طلبہ ایک بار پھر تبدیلی کی سیاست اور تحریکیں منظّم کرنے کی طرف راغب ہو رہے ہیں پاکستان سمیت ہندوستان سے لے کر چلّی اور امریکہ سے لے کر سویڈن تک طلبہ و نوجوان روایتی پارٹیوں سے بدظن ہو کر نئے تجربات کر رہے ہیں سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے استعمال میں بھی نوجوان سب سے آگے ہیں تاہم پاکستان میں 1984 کے بعد طلبہ یونین پر پابندی ہے جبکہ سیاست کے میدان میں فوجی بالادستی کے نتیجے میں سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں کو مسلسل منفی پروپگنڈا کا شکار بنایا گیا ہے ان دونوں وجوہات کی بنا پر طلبا و نوجوانوں کی اکثریت سیاست کو گالی سمجھتی ہے اور اسی تناظر میں عوامی ورکرز پارٹی کا فرض ہے کہ طلبہ یونین کی بحالی کی جدوجہد کو اپنی بنیادی ترجیحات میں سے ایک بنائے اور دوسری طرف سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کو استعمال کرنے والے نوجوانوں کو ترقی پسند نظریات بالعموم اور بائیں بازو کی سیاست کی طرف بالخصوص مائل کرنے میں بنیادی کردار ادا کرے۔

کیا کیا جائے؟

☆ مندرجہ بالا ملکی اور بین الاقوامی معاشی و سیاسی صورت حال اور تجزیے کے مدنظر اور عوامی ورکرز پارٹی کے منشور میں دیئے گئے بنیادی اصولوں جن پر ملکی اور عالمگیر سطح پر ایک ایسے سماج کا قیام ہے جس میں انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا خاتمہ ہو، جو سوشلزم کے نظام کی تعمیر سے ہی ممکن ہے لہذا موجودہ حالات میں بنیادی سماجی تبدیلی کے لیے محنت کش طبقوں اور محنت کار عوام کی مختلف پرتوں کو مارکسی لیننی نظریات اور سیاسی و تنظیمی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے متحدہ جدوجہد میں منظّم کرنا ہمارا فریضہ ہے ان مقاصد کے حصول کے لیے اور مستقبل کی جدوجہد کے لیے پارٹی مندرجہ ذیل اہداف مقرر کرتی ہے:

☆ تنظیمی طور پر پارٹی دستور کے تحت رکنیت، تنظیمی اصولوں، نظم وضبط اور عوامی جدوجہد کے تجربات کی روشنی میں پارٹی کے بالائی اداروں میں طے کی گئی پالیسی پر سختی سے عمل درآمد کرتے ہوئے پارٹی کو محنت کش طبقات اور محنت کار عوام کی مختلف پرتوں میں منظّم کیا جائے۔

16 ☆ جاگیرداری اور قبائلی باقیات اور بڑی زمینداری کے خاتمے کے لیے منشور میں دی گئی بنیادی زرعی اصلاحات کی پالیسی یعنی 25 ایکڑ نہری اور 50 ایکڑ بارانی فی کاشت کار خاندان مقرر، فالتو زمین ہاریوں کسانوں، کھیت مزدوروں میں تقسیم کرنے، سرکاری زمینوں پر کوآپریٹیو فارمنگ اور اجتماعی کاشت کاری کے فروغ اور بارانی علاقوں میں اشتمال اراضی کے لیے جدوجہد کو منظّم کرنے کے لیے کسان/ ہاری کمیٹیوں کو منظّم کیا جائے۔ زراعت میں مشین کاری اور ٹیکنالوجی کے استعمال کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر کھیت مزدوروں کے حقوق کے حصول کے لیے مزدور قوانین کی تشکیل ونفاذ کی جدوجہد کی جائے۔ زمین کے چھوٹے مالکان اور زرعی شعبے کے مسائل کو اجاگر کرنے، بڑی زمینداری کے خلاف اور ایک مربوط زرعی پالیسی کے نفاذ کے لیے ایک سے زیادہ عوامی تنظیموں کی تشکیل وتنظیم کی جاسکتی ہے۔

☆ عوامی ورکرز پارٹی رہنے کی چھت یعنی مکان کو انسان کے بنیادی حق کے طور پر تسلیم کرتی ہے لہذا دیہاتوں اور شہروں میں بے گھر لوگوں کو رہنے کے لیے مکان مہیا کرنا ریاست کی ذمے داری ہے اس لیے پنجاب کے صوبے میں (ActIII of 1986-The panjab jinnha abadis for properties in Rural Areas(act پر مکمل عمل درآمد کرانے اور ملک کے تمام صوبوں میں رہائش کے لیے قانون سازی اور ریاست کی طرف سے مکان مہیا کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے نیز تعلیم اور صحت پر جی ڈی پی کا کم ازکم 15% خرچ کرنے کی ضمانت دی جائے۔

☆ صنعتی اور معاشرتی ترقی ومعاشی آزادی اور خودمختاری کے لیے دفاعی اور غیر پیداواری اخراجات میں کمی اور علاقائی وترقی پذیر ممالک کے ساتھ معاشی تعاون اور اشتراک کے اصولوں پر مبنی معاہدے کیے جائیں۔ امریکی اور مغربی سامراجی ملکوں کی نیولبرل عالمی بینک اور آئی ایم ایف کی پالیسیوں کی مزاحمت کی جائے۔ قومیائی گئی صنعتوں کو فعال بنایا جائے۔ صنعتی مزدوروں اور ان کی ٹریڈ یونینز کو پاکستان ٹریڈ یونینز فیڈریشن PTUF میں منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف غیر منظّم شعبوں میں محنت کار عوام کو ان کی تنظیمی کمیٹیوں کی شکل میں منظّم کیا جائے موجودہ لیبر قوانین پر عمل درآمد اور مزید مزدور دوست قوانین کی تشکیل کی جدوجہد کی جائے۔

☆ ملک میں آئینی حکمرانی، جمہوری اداروں کے قیام پارلیمنٹ کی بالادستی، فوجی وسول افسر شاہی کی سیاست میں عدم مداخلت، پاکستان میں بسنے والی تمام قوموں کی برابری اور کثیر الاقوامی ریاست کی تشکیل، دفاع، خارجہ پالیسی، کرنسی اور مواصلات کے علاوہ تمام اختیارات کی صوبوں کو منتقلی، مقامی حکومتوں کا قیام، انتخابی اصلاحات اور حقیقی عوامی جمہوریت کے قیام کی جدوجہد جس میں پارلیمنٹ کے اندر طبقاتی طور پر نمائندگی اور انتخابی قوانین میں تبدیلی شامل ہے ان مقاصد کے حصول کے لیے دوسری ہم خیال پارٹیوں کے ساتھ اتحاد جدوجہد کی پالیسی اختیار کی جائے۔

☆ سیاسی معاملات میں اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ اداروں کی مداخلت اور قومی وسیاسی حقوق کے حصول کی

جدوجہد کرنے والوں کے خلاف جبر اور غائب کردینے کی پالیسی کے خلاف جدوجہد کی جائے۔

☆ مذہبی انتہا پسندی اور مذہب کو سماجی تبدیلی کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی حکمران طبقات کی پالیسی کے خلاف سیکولر اور غیر فرقہ واریت کی بنیاد پر معاشی سیاسی وسماجی ترقی کے لیے تحریک کو منظّم کیا جائے۔

☆ سیکولر اور یکساں سائنسی بنیادوں پر مبنی نظام تعلیم اور تعلیم کے مفت حصول کو بنیادی انسانی حقوق کے طور پر تسلیم کرانے اور انہیں یونین سازی کے بنیادی حق کے لیے طلبہ تنظیم پروگریسیو اسٹوڈنٹس فیڈریشن (PrSF) کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو روزگار، صحت اور دیگر بنیادی حقوق کے حصول کے لیے تنظیمی طور پر منظّم کیا جائے اور شعوری کوششوں سے پارٹی تنظیم کا حصہ بنایا جائے نیز تعلیم اور صحت کے شعبوں میں ریاست کی طرف سے جی ڈی پی کا کم ازکم 15% مختص کرانے کے لیے جدوجہد کی جائے۔

☆ پدرسری سماج کے نظام کے مکمل خاتمے اور جنس کی بنیاد پر معاشی، سیاسی وسماجی تفریق کے خلاف اور جنسی برابری کے اصولوں کے تحت خواتین جو ملکی آبادی کا پچاس فیصد سے زیادہ ہیں اور دوہرے، تہرے استحصال کا شکار ہیں کو ویمن ڈیموکریٹک فرنٹ (WDF) کے تحت منظّم کیا جائے اور بنیادی سماجی تبدیلی کی تحریک کا حصہ بنایا جائے مزید صنفی سوال پر خواتین کی برابری کے علاوہ باقی صنفوں یعنی Trance Genders کو بھی برابر سیاسی، معاشی وسماجی حقوق، ذات پات کی تفریق کے مکمل خاتمے کی جدوجہد کی جائے۔

☆ نئی ٹیکنالوجیکل ترقی اور معلوماتی انقلاب کا اپنے تئیں بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ سوشل میڈیا کے وہ ذرائع استعمال کیے جائیں وایک طرف پارٹی اداروں اور عوامی تنظیموں میں اتحاد، رابطہ اور یکجہتی پیدا کرسکیں پارٹی پروگرام کو اجاگر کریں اور اتحادی قوتوں سے مل کر انقلابی سیاست کو ترتیب دینے اور ایک نئے سماج کو قائم کرنے میں معاونت کریں۔

☆ بین الاقوامی طور پر سامراجی بالادستی اور ان کی معاشی پالیسیوں کی مزاحمت اور فوجی وجنگجویانہ پالیسیوں کی مخالفت اور دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے خلاف جدوجہد کی جائے علاقائی خاص کر پڑوسی ملکوں بھارت، افغانستان، چین، ترکی، ایران، سینٹرل ایشیائی ممالک کے ساتھ دوستی اور معاشی تعاون قائم کیا جائے۔

☆ بین الاقوامی طور پر سوشلسٹ اور ترقی پسند تحریکات کے ساتھ یکجہتی، یورپ، ایشیا، امریکہ، مشرق وسطیٰ اور لاطینی امریکہ کے ممالک کی 70 سے زیادہ کمیونسٹ ورکرز پارٹیوں کے سالانہ اجلاس واتحاد سے رابطہ ویکجہتی پیدا کی جائے تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کیا جاسکے جو اس اتحاد کا بنیادی مقصد ہے اور اشتراکی تحریکات کو منظّم کرنے میں ایک دوسرے کی سیاسی معاونت کی جائے۔

☆ پاکستان میں تمام بائیں بازو، سیکولر اور ترقی پسند قوم پرست سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا جائے اور متعلقہ پروگرام کی بنیاد پر مل کر سماجی تبدیلی کی جدوجہد کی جائے۔